پندرہواں باب:

چناؤ

اس نے خواب میں دیکھا..

وہ لکڑیوں کا گٹھا پھینک کے

اس کیچڑ میں لت پت لڑکی کے سامنے جھکا

جو گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روئے جا رہی تھی۔

آس پاس گھنے اور اونچے درخت تھے۔

وہ گھٹنوں پہ ہاتھ جمائے جھک کے اس سے بولا

"Make a wish"

وہ بھیگا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے۔کوئی خواہش کرو۔"

پھر اس نے سنا وہ روتے ہوئے کچھ کہنے لگی۔

ٹوٹے ٹوٹے سے الفاظ سماعتوں سے ٹکرائے۔

چاکلیٹ...بہت ساری چاکلیٹ...

وہ مڑا اور ایک درخت تک گیا۔

ایک سخت خول کا پھل توڑا اور اسے چاقو سے کاٹا۔

اندر سے نکلتے گودے کی خوشبو اتنی تیز تھی کہ اسے لگا ناک میں گھس گئی ہو۔

ایک دم سے فاتح کی آنکھ کھلی۔

☆......☆......☆

کچھ دیر کے لئے 557 برس قبل کے زمانے میں واپس چلتے ہیں۔

شہر تھا ملاکہ کا...وقت تھا شام کا....اور مقام تھا سن باؤ کے گھر کا۔

سورج ڈوب رہا تھا اور وان فاتح صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتا نظر آ رہا تھا۔سفید پاجامے پہ پہنے کرتے کی آستینیں چڑھائے' ہاتھ میں ڈول پکڑے وہ ایک مکمل غلام بن چکا تھا۔چلو بھر بھر کے پانی صحن کی اینٹوں پہ چھڑکتا' اور درمیان میں خود بھی گھونٹ بھر لیتا کہ گرمی شدید تھی اور کنویں کا پانی ٹھنڈا میٹھا سا تھا۔

دفعتاً دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ پھرتیزی سے برآمدے میں آیا مگر وسط میں ٹھہر گیا۔

سامنے ملکہ یان سوفوا اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ چلی آ رہی تھی۔بھورے چغے میں ملبوس' سر کو اس کی ٹوپی سے ڈھکے' قریب آتی ملکہ نے ہاتھ کے اشارے سے مصاحبوں کو دور رہنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے آ رکی۔چغے کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا خوبصورت چینی چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

فاتح نے ڈول زمین پہ رکھا اور گردن جھکا کے تعظیماً سلام کہا۔

''ملکہ....خوش آمدید۔'' ساتھ ہی گہری آنکھیں اٹھا کے دیکھا۔

شاہ چین کی بیٹی نے چغے کی ٹوپی پیچھے کو گرائی اور شاہانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''سب کیسا جا رہا ہے' غلام فاتح؟''

اس نے پہلے ملکہ کو کرسی پیش کی' پھر درمیان میں میز رکھی اور جب وہ کرسی پہ بیٹھ گئی تو وہ مقابل کرسی پہ بیٹھ گیا۔غلام ہونے کے باوجود وہ ملکہ کے سامنے بیٹھنے سے قطعاً نہیں ہچکچایا۔ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

''کل شہزادی تالیہ اور مورخ تین چاند والے جزیرے کے لئے روانہ ہوں گے جہاں سے وہ خزانہ ڈھونڈ کے لائیں گے۔آپ کا بھیجا گیا چینی جہاز اگر وقت پہ پہنچ گیا تو.....''

''وہ وقت پہ ہی پہنچے گا۔''

''بالکل' اگر ایسا ہوا تو شہزادی تاشہ خزانے سمیت واپس آئیں گی۔امید ہے تب تک مراد راجہ مجھے قید کر چکا ہو گا' لیکن میں اس سے اپنے اور تاشہ کے لئے محفوظ راستہ حاصل کر لوں گا۔پھر ہم ملاکہ سے چلے جائیں گے اور آپ کے تخت کو کسی لڑکی سے خطرہ نہیں ہو گا۔''

''مراد راجہ اور تاشہ....مجھے اپنے ان دونوں 'دشمنوں' سے نجات مل جائے گی نا؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔فاتح نے سر کو خم دیا۔

''میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے ملکہ عالیہ کہ شہزادی تاشہ آپ کے سلطان کی ملکہ نہیں بنے گی۔آپ بے فکر رہیے۔''

''تمہارے وعدوں پہ اعتبار کرنا چاہتی ہوں مگر.....'' ملکہ نیچے فرش کو دیکھ رہی تھی جہاں پانی کا ڈول رکھا تھا۔''مگر تمہارا چہرہ کہتا

ہے کہ تم وعدے نبھانے میں اچھے نہیں ہو۔"

"آپ کی قیافہ شناسی غلط ہے ملکہ۔ میں نے کبھی وعدے نہیں توڑے۔ چاہے وعدہ قوم سے کیا ہو یا بیوی سے یا اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے۔"

ملکہ نے چونک کے آنکھیں اٹھائیں۔ "بیٹیاں؟ تمہاری تو صرف ایک بیٹی ہے۔"

"اب ایک ہے۔ بڑی والی مرچکی ہے۔"

سن باؤ کے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔

ملکہ نے چند لمحے کو نظریں جھکائیں پھر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"نہیں۔ جو مری تھی' وہ تمہاری بیٹی نہیں تھی۔ وہ تمہاری بہن تھی۔" پھر شانے اچکائے۔ "لیکن ہوسکتا ہے میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنے کا علم) غلط ہو۔ خیر.... کل جب شہزادی تاشہ اور مورخ جزیرے کی طرف چلے جائیں گے تو...."

وہ بات بدل کے واپس منصوبے کی طرف جانے لگی مگر وان فاتح کی تمام حسیات جاگ چکی تھیں۔ ملکہ کے مقابل بیٹھے غلام نے پانی کے ڈول کو دیکھا اور پھر ملکہ کو۔

"نہیں.... یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔" اس کی چبھتی نظریں یان سوفو پہ جمی تھیں جس کی رنگت ایک دم پھیکی پڑی تھی۔

"اس روز جب آپ نے تاشہ کے سامنے اسی جگہ بیٹھ کے مجھے خودغرض کہا تھا تو مجھے یاد ہے' آپ کی آمد سے چند ساعتیں قبل میں کنویں سے پانی بھر کے لایا تھا اور وہ ڈول بھی میں نے اس طرح یہاں رکھا تھا۔ اس روز بھی ڈول کے پانی سے میں نے پیا تھا۔ آج بھی پیا ہے۔ آپ میرا چہرہ نہیں پڑھ رہی تھیں' ملکہ۔ آپ پانی کو پڑھ رہی تھیں۔"

فاتح کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے' اور اس نے آگے جھک کے ملکہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔ یہ جادو ہے۔ اور آپ.... آپ جادوگرنی ہیں۔"

نیلگوں اندھیرے میں ڈوبی حویلی پہ پل بھر کے لئے موت کا سناٹا چھا گیا۔

یان سوفو کے کان غصے سے سرخ پڑے اور اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "تم اس گستاخی کی سزا جانتے ہو غلام؟"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ ملاکہ میں جادوگروں کے متعلق قوانین بہت سخت ہیں۔ اگر سلطان کو علم ہوا کہ آپ کے والد نے آپ کو 'جادو' سے لیس کر کے بھیجا تھا تاکہ.... (اس نے اندازہ لگایا) تاکہ آپ ملاکہ پہ قبضہ کرسکیں تو آپ کو سزائے موت دے دی جائے گی۔"

"تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔" وہ غرائی مگر لہجہ اتنا مضبوط نہ تھا مگر وہ مسکرائے جا رہا تھا۔

"آپ نے پمبورو کے پورے گاؤں کو تباہ کروا دیا کیونکہ وہ جادو میں ملوث تھے۔ مراد راجہ نے اپنے جادوگر دوستوں سے غداری

کی اور آ ُسے آن ملا۔ کیا وہ آپ کا راز جان گیا تھا؟ تبھی آپ نے اسے محفوظ راستہ دے دیا۔آپ دونوں جادوگر ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں لیکن سلطان کو علم نہیں ہے۔"

"تم..."

"آپ فکرمت کریں۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا کیونکہ اگر آپ کو سزا ہوگئی تو مجھے اور تاشہ کو واپسی کا راستہ نہیں ملے گا۔"

یان سوفو لب بھینچے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی' پھر ایک دم وہ ہنس پڑی۔ یکا یک سارا غصہ غائب ہوگیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے ڈرتی ہوں؟"

"آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' ملکہ۔ میں آپ سے کیا وعدہ نبھاؤں گا۔آپ کو آپ کا علم مستقبل دکھا سکے تو دیکھ لیجئے گا۔"

یان سوفو نے اب کی بار پوری گردن جھکا کے ڈول میں مقید پانی کو غور سے دیکھا

"میں مستقبل نہیں بتا سکتی۔ جادو صرف ماضی بتا سکتا ہے۔" اعتراف کیا۔

"اور مستقبل دیکھ لینا کیا ہوتا ہے؟" اسے کوئی یاد آیا تھا۔

"الوہی تحفہ۔" وہ اب بھی پانی کو دیکھ رہی تھی۔

"شہزادی تاشہ نے بھی آپ کے سامنے بہت دفعہ پانی پیا ہوگا۔ان کا ماضی نہیں پڑھا آپ نے؟"

"وہ جادوگر کی بیٹی ہے۔ میرا علم اس پہ اور اس کے باپ پہ نہیں چلتا۔ تم البتہ...." اس نے نظریں اٹھا کے مسکرا کے فاتح کو دیکھا۔

"ایک خود غرض مرد رہے ہو۔"

"اور وہ کیوں؟"

"تم نے ایک عورت سے صرف اس لئے شادی کی تا کہ وہ تمہاری بہن کا خیال رکھ سکے۔ تم اپنے باپ پہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تم اس سے بہتر ہو۔ تمہیں اپنے باپ سے نفرت تھی۔"

"اور کیا دیکھا آپ نے میرے بارے میں؟" وہ دلچسپی سے ملکہ کو دیکھ رہا تھا۔

"غلام فاتح...." وہ اب کے نرمی سے بولی۔" کچھ باتوں کو نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم منصوبے پہ دھیان دو۔ باقی سب بھول جاؤ۔ تم کسی دوسرے علاقے سے آئے لگتے ہو جس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتی مگر محبتیں اور نفرتیں ہر علاقے میں ایک سی ہوتی ہیں اس لئے میں تمہارے دل میں کسی کے لئے نفرت نہیں بھرنا چاہتی۔"

یہ وہ آخری بات تھی جو یان سوفو نے اٹھتے وقت کہی تھی۔ وان فاتح نے پھر کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اسے ایک جادوگرنی سے اپنے

ماضی کی خبر لینے میں دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس کے خیال میں وہ اپنے ماضی سے واقف تھا۔

پھر وہ شام بھی آ گئی جب وہ مراد راجہ کو میز پہ لے آیا اور کچھ اپنی منوا کے کچھ اس کی مان لی۔ مراد نے رخصت کے وقت اسے صاف لباس اور گھوڑے سمیت سفر کے لئے زادِ راہ بھی دیا۔ وہ دونوں محل کے دروازے پہ کھڑے تھے اور مراد اسے بتا رہا تھا کہ اسے کس طرح چابی کی مدد سے جنگل میں اس مقام تک پہنچنا ہے جہاں وہ 'دروازہ' موجود ہے۔

دفعتاً ایک سپاہی مراد راجہ کا گھوڑا لئے قریب آیا تو فاتح چونکا۔

''آپ میرے ساتھ آ رہے ہیں' راجہ؟''

جواباً مراد کے تیوری چڑھی۔

''کیا تمہیں اس بات پہ اعتراض ہے کہ میں سن باؤ کے گھر سے اپنے صندوق اپنی نگرانی میں وصول کروں یا اپنی بیٹی کو الوداع کہہ سکوں؟''

''ہرگز نہیں' راجہ۔ میں سورج ڈوبنے کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد آپ کو سن باؤ کی گلی کے پاس درختوں کے جھنڈ میں ملوں گا۔''

''کیوں؟ تمہیں کچھ خاص کرنا ہے کیا؟ یا کسی سے ملنا ہے؟'' راجہ نے مسکرا کے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

''یقیناً میرے سپاہیوں میں سے کوئی ایک ملکہ کا وفادار ہوگا' اور اس نے تمہیں آنے کا اشارہ کیا ہوگا۔''

''راجہ کو اپنا سونا واپس مل رہا ہے۔ اب راجہ کو شکایت کا حق نہیں ہے۔''

مراد کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''جاؤ' غلام فاتح۔ خدا کرے ملکہ مایوسی میں تمہاری گردن نہ اتروا دے۔''

اور ملکہ یان سوفو مایوسی سے زیادہ غصے کی حالت میں تھی۔ اگر اس وقت وہ محل میں ہوتی تو شاید اپنے سپاہیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے ڈالتی لیکن چونکہ اس غلام کو محل بلانا پُر خطر تھا' اس لیے وہ بندا ہارا کے محل سے چند کوس دور بنے بازار میں مل رہے تھے۔ سپاہی فاصلے پہ عام حلیے میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور وہ دونوں ہندوستانی مصالحوں کی ایک دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ ملکہ نے بھورے چغے کی ٹوپی سے سر ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا چہرہ غیظ وغضب سے سرخ دہک رہا تھا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم مراد راجہ کو قلاش کر دو گے' تباہ کر دو گے۔'' وہ مٹھیاں بھینچے ضبط سے بولی۔

شام ڈھل رہی تھی اور ارد گرد بہت سے تازہ تازہ آزاد ہوئے غلام خوشی خوشی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ رش بہت تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فاتح کو جواباً بلند آواز میں کہنا پڑا۔

''میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔''

''تم خزانہ مراد کو واپس کیسے کر سکتے ہو؟ وہ تمہیں غریبوں کو دینا تھا۔''

''آپ چاہتی ہیں کہ میں وہ خزانہ سن باؤ کو دے دوں تاکہ وہ غریبوں میں بانٹ دے؟ کیا میں اتنا بے وقوف ہوں؟ ہم دونوں کو معلوم ہے کہ سن باؤ وہ خزانہ چین بھیج دے گا۔ اور آپ یہی چاہتی ہیں۔''

''چین بھیجنا مراد راجہ کو لوٹا دینے سے بہتر تھا۔ تم... تم وہ اسے کیسے واپس کر سکتے ہو؟''

''کیونکہ وہ مجھے واپسی کا راستہ دے رہا تھا اور صرف وہی دے سکتا تھا۔ میں نے آپ سے تاشہ کو آپ کے راستے سے ہٹانے کا وعدہ کیا تھا' مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔ آپ کی اور مراد کی جنگ آپ دونوں کا مسئلہ ہے۔ تاشہ اور میں اس کھیل کے لا متناہی کھلاڑی تھے۔ ہمیں اپنے ملک واپس جانا ہے۔''

بازار پہ اندھیرا چھا رہا تھا اور دکانوں کے قمقمے روشن ہو رہے تھے۔ آج لوگوں نے مغرب کے ساتھ ہی اپنے ٹھیلے نہیں سمیٹے تھے بلکہ وہ غلاموں کے آزاد ہونے کی خوشی میں جلوس نکال رہے تھے۔

'اور تم اپنے ملک کے بندا ہارا بن جاؤ گے' یہ لگتا ہے تمہیں؟'' ملکہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مستقبل نہ میں دیکھ سکتا ہوں نہ آپ۔ اس لئے کوشش ہی کر سکتا ہوں۔''

رش بڑھتا جا رہا تھا اور لوگوں کا شور بھی۔

''میں ابھی بھی تمہارا سر قلم کروا سکتی ہوں۔'' وہ برہمی سے اس کو دیکھ کے بولی تو غلام مسکرا کے قریب آیا اور ملکہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''یعنی آپ شہزادی تاشہ کو پھر سے غیر شادی شدہ بنا دیں گی؟ اور آپ کو کیا لگتا ہے.... فاتح بن رامزل مرنے سے پہلے اعلانیہ انداز میں لوگوں کو نہیں بتائے گا کہ چینی شہزادی ایک جادوگرنی ہے؟ میں نے ان لوگوں کو آزاد کرایا ہے' ملکہ۔ یہ میرے احسان تلے دبے ہیں' یہ میرا یقین فوراً کر لیں گے۔'' پھر سیدھا ہوا تو دیکھا' ملکہ کا چہرہ غصے اور بے بسی سے تمتما رہا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ تم جانتے تھے میں مراد راجہ کی تباہی کے لئے وہ جہاز دے رہی ہوں تمہیں اور تم نے مجھے غلط تاثر دیا۔ خیر۔ خوش تو تم بھی نہیں رہو گے اپنے ملک میں۔''

فاتح نے کندھے اچکائے۔

''آپ اپنی فکر کریں' ملکہ۔ آگے آپ کو مراد راجہ سے ایک طویل جنگ لڑنی ہے۔''

سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

''تم میرے دوست نہیں تھے اس لئے اب تمہیں تکلیف پہنچا کے مجھے افسوس نہیں ہوگا۔''

''آپ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔''

''نقصان نہیں۔تکلیف کی بات کر رہی ہوں۔سوچو....اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہوگی جب تمہیں معلوم ہوگا کہ....'' وہ بالآخر مسکرائی۔چغے کے ہالے میں دمکتا اس کا چہرہ ذرا شانت ہوا۔

''کہ؟'' فاتح نے ابرو اٹھائی۔

''کہ تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے؟''

چند لمحوں کے لئے وقت بالکل تھم گیا۔بازار میں بجتے شادیانے...بھانت بھانت کی بولیاں...سب ایسے خاموش ہوا جیسے لوگوں کی زبانیں چھن گئی ہوں۔

''بھورے بالوں والی عورت ہے نا تمہاری بیوی؟ آخری دفعہ پہاڑوں پہ تمہاری 'بہن' کے ساتھ گئی تھی تو کانوں میں بڑے بڑے موتی پہن رکھے تھے؟ اور تمہاری بہن سفید گھیر دار لباس پہنے ہوئے تھی؟ اور اس کے اوپر پیلا لبادہ۔اس بچی کے لئے جو جلاد بھیجے گئے تھے' وہ تمہاری بیوی نے بھیجے تھے وان فاتح۔ماضی جان لینا مستقبل جان لینے سے زیادہ بڑا عذاب ہے۔ہے نا؟''

ملکہ نے چغے کی ٹوپی آگے کو سرکائی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''تمہارا سفر اچھا گزرے۔اللہ حافظ۔''

وان فاتح وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

وہ جا چکی تھی اور وہ اس سے مڑ کے سوال بھی نہیں کر سکا تھا۔اگر ملکہ جھوٹ بول رہی تھی تو اس کو ان کے لباس کا رنگ کیسے معلوم ہوا؟

اگلے تین دن جب وہ ایڈم اور تالیہ کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا' وہ بہت چپ چپ سا تھا۔ایڈم اور تالیہ کیا کہہ رہے تھے' وہ نہیں سن رہا تھا۔دماغ میں صرف ایک فقرہ گردش کر رہا تھا۔

تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے۔وہ بار بار سر جھٹکتا۔یہ ناممکن ہے۔عصرہ ایسے نہیں کر سکتی۔عصرہ کو تو آریانہ سے محبت تھی۔مگر کیا واقعی؟

بہت سے واقعات آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ہر بات میں وہ آریانہ کو فوقیت دیتا تھا اور عصرہ پسپائی اختیار کر لیتی تھی۔وہ جس پسپائی کو اس کا بڑا پن سمجھتا تھا' وہ اس کے اندر پنپتا زہریلا پودا بن چکی تھی۔آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

وہ جنگل میں تھے اور ایڈم اور تالیہ سو چکے تھے۔وہ اپنے انہی خیالات کی رو میں بھٹکتا آگے نکل آیا۔جنگل اندھیر تھا اور گھنے درختوں کے باعث چاند دکھائی نہ دیتا تھا۔وہ ہاتھ میں مشعل لئے آگے چلتا گیا۔دفعتاً ایک درخت کے پاس رکا۔

وہ کوکو کا درخت تھا۔اس کے پتوں کی خوشبو نے ایک دم چار ماہ قبل والا وہ دن یاد کروا دیا جب اس نے تالیہ کی سالگرہ پہ اس کو یہ پھل توڑ کے دیا تھا۔ایک مغموم مسکراہٹ فاتح کے لبوں پہ بکھر گئی۔اس نے ایک پھل توڑا اور تالیہ کے پاس لے آیا۔وہ اپنے ٹہنیوں سے

بنے جھولے پہ بے خبر سو رہی تھی۔ وہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھا سوچتا رہا کہ اسے کیا کہے۔

وہ اس کو چھوڑنے جا رہا تھا' اس لئے وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بیوی نے ہی اس کی بیٹی کو مارا ہے۔ اور ابھی تک وہ خود بھی پر یقین نہ تھا۔ لیکن اب دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اسے کسی کو تو بتانا تھا۔ کچھ تو بتانا تھا۔ دروازہ پار کرتے ہی وہ سب بھلا دے گا۔ کوئی تو اسے یاد کروانے والا ہونا چاہیے۔ یا اللہ.... اس نے کیا قربان کر دیا؟ یاداشت کا سودا اس وقت اتنا مہنگا نہیں لگا تھا لیکن اب.....؟

کوشش کے باوجود فاتح بن رامزل اس رات تالیہ کو وہ سب نہیں بتا سکا۔ یہ بہت خطرناک راز تھا۔

مگر.... اپنے زمانے میں واپس آنے کے بعد.... ذوالکفلی سے وقت کے تین سوالات سنتے ہوئے اس کو احساس ہوا کہ اگر اسے اپنی یاداشت واپس چاہیے تھی تو اسے "اپنے ساتھ" موجود شخص سے بھلائی کرنی تھی۔ عصرہ اس کے لئے سب سے اہم شخص نہیں تھی۔ اس کی بیٹی کی قاتل کو اس کے لئے سب سے اہم شخص ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اگر اسے کسی کے ساتھ بھلائی کرنی تھی تو وہ تالیہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ چلی گئی تو وہ کبھی نہیں جان سکے گا کہ اس کی بیٹی کو عصرہ نے کیوں مارا تھا۔ کوئی تو ہونا چاہیے جو اس کے ساتھ مخلص ہو اور اسے یاد کروائے۔ خود غرضی ہے تو خود غرضی سہی مگر اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ اسے بھول جائے۔

اس نے ایک سطر لکھ کے ذوالکفلی کے حوالے کی۔ وہ اسے ایڈم کو ای میل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ملک کا اگلا وزیرِ اعظم بننے جا رہا تھا اور یہ راز بہت خطرناک تھا۔

واپسی پہ اس نے ایڈم کو ای میل لکھی اور اسے ہر ہفتے تالیہ کے لئے کوکو پھل بھیجنے کی ہدایت کی۔

جب وہ ہر شے بھول چکا ہوگا تو وہ پھل تالیہ کو ان کی جنگل کی آخری گفتگو یاد دلائیں گے۔ اور وہ دوبارہ کبھی برائی کے راستے پہ نہیں جائے گی۔ صرف وہی اس کی مدد کر سکتی تھی۔

اسے تالیہ مراد سے محبت نہیں تھی۔ یہ بات وہ جانتا تھا۔ تالیہ کو اس سے محبت تھی۔ یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اور ایڈم کو کس سے محبت تھی' وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھا۔ پہلے وہ چاہتا تھا کہ تالیہ اور ایڈم اس سے الگ ہو کے اپنی نئی زندگی شروع کریں لیکن آریانہ نے جیسے پہلے بھی اس کی زندگی میں ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیا تھا' اب بھی وہی بازی لے گئی تھی۔

تالیہ کو اس کے ساتھ رہنا تھا' اور اسے تالیہ کے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔

چاہے وقت بیت جائے.... چاہے یادیں کھو جائیں.... چاہے چہروں کے نقاب بدل جائیں.... انہیں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑنا تھا۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں خاموشی چھائی تھی۔ داتن منہ کھولے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ ایڈم جہاں دنگ رہ گیا تھا، وہیں شہزادی تاشہ کے اندر جاری تاشہ اور تالیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنے دونوں چہروں کو تسلیم کر کے ایک دم شانت نظر آتی تھی۔

''عصرہ محمود نے آریانہ کو قتل کروایا تھا۔''

اس نے دہرایا تو سناٹا ٹوٹا۔ داتن نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''مگر عصرہ تو آریانہ سے سب سے زیادہ محبت کی دعویدار تھی۔''

''اور کسی نے مجھے کہا تھا کہ مجھے بہت سے لوگ ملیں گے جن کی زبانیں دلفریب باتیں کہیں گی لیکن مجھے ان کو ان کے اعمال کی بنیاد پہ پرکھنا ہوگا۔'' تالیہ ٹیک لگائے، اس کاغذ کو تہہ در تہہ کرتی کہہ رہی تھی۔ ''عصرہ کی زبان جو بھی کہے، اس کا عمل ہمیشہ مختلف رہا ہے۔''

''مختلف کیسے؟'' داتن کو اچنبھا ہوا۔

تبھی ایڈم کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

''مسز عصرہ بظاہر آریانہ سے محبت کی دعویدار تھیں، لیکن آریانہ جس شخص کی بہن تھی، انہوں نے اس شخص کو چھ سال تکلیف دیے رکھی۔ اگر انہیں واقعی آریانہ سے لگاؤ ہوتا تو فاتح میں آریانہ کو ڈھونڈتیں اور ان کی تکلیف کا احساس کرتیں۔''

''اسی لئے عصرہ بیگم اس ملک سے بھاگنا چاہتی تھیں۔'' وہ انگلیوں کے پوروں سے کاغذ کو تہیں لگا رہی تھی اور گول میز پہ بیٹھے دونوں افراد اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ ''تاکہ ماضی کا گناہ کبھی سامنے نہ آ جائے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ آریانہ تو اس دن مر گئی تھی، وہ ایک دم مطمئن ہو گئیں اور فرسٹ لیڈی بننے کے خواب دیکھنے لگیں۔''

''مگر.... فاتح صاحب کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' داتن نے اسے ٹوکا۔ اب وہ غور سے تالیہ کی آنکھوں میں بھرتے تنفر کو دیکھ رہی تھی۔ فاتح کے نام پہ تنفر میں اضافہ ہوا۔

''وہ ہمیشہ سے خود غرض تھے۔'' تالیہ ایک دم چیخ کے بولی۔ ''ان کو یقیناً قدیم ملاکہ میں معلوم ہوا ہوگا یہ سب۔ نہ جانے کیسے۔ اور انہوں نے اس بات کو ہم سے چھپا لیا مگر جب وہ واپس آنے کے بعد ذوالکفلی سے ملے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے اور تالیہ تو ٹھہری کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر (لہجہ طنزیہ ہوا تو ایڈم نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔) سو مجھے اپنی زندگی سے باندھ دیا تاکہ میں آریانہ کی موت کا راز کھوج کے انہیں یاد کرواؤں۔ خود غرض... بے حد خود غرض انسان ہیں وہ۔'' اس نے کاغذ کو مروڑ کے زور سے زمین پہ مارا۔

''یہ خود غرضی نہیں ہے، چے تالیہ۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''یہ محبت ہے۔ آریانہ ان کی بیٹی تھی۔ انہوں نے ہم دونوں کو واپسی کا راستہ دینے کے لئے وہ سب بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم ان کی بیٹی کا قاتل ان کو یاد کروائیں؟''

داتن نے گھور کے ایڈم کو دیکھا مگر وہ تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔تالیہ کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

''اب تک مجھے لگا تھا ان کو شاید مجھ سے کوئی لگاؤ ہو...میری کوئی اہمیت ہو..مگر نہیں۔انہوں نے مجھے اپنے ساتھ صرف ضرورت کے لئے باندھا اور میں نے.....میں نے ان کے لئے ہر شے داؤ پہ لگا دی۔میں نے اپنا چہرہ بھی میڈیا کے سامنے عیاں کر دیا جو کہ ایک اسکامر کا چہرہ ہے۔کسی نے مجھے پہچان لیا' کسی نے تفتیش کی تو میرا کیا ہوگا؟''

''بالکل۔وہ ایک خودغرض انسان ہے اور....'' داتن نے زوروشور سے تائید کرنی چاہی تو ایڈم نے تیزی سے بات کاٹی۔

''انہوں نے نہیں کہا تھا کہ آپ ان کی باڈی وومن بنیں۔ساتھ رہنے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔یہ آپ کی اپنی مرضی تھی۔اور اب ان کو خودغرض کہنا چھوڑ دیں' چے تالیہ۔کیا انہوں نے ہمارے لئے کچھ نہیں کیا؟ ہم اس دروازے کے پار آپ کے خزانے کے لئے گئے تھے' ان کی وجہ سے نہیں مگر یہ ان کا پلان تھا جو ہمیں وہاں سے نکال کے لایا ہے۔جنگل میں ہمیں ہمت دلانے والا اور ملاکہ میں ہمیں سکھانے والا وان فاتح تھا۔انہوں نے ہمیں اپنا بہترین ورژن بننا سکھایا ہے۔''

تالیہ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم خود ہی تو کہتے تھے کہ جب وہ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''تب کہتا تھا جب وہ ساتھ چھوڑنے والے تھے۔جب نہیں چھوڑا تو کہنے کی وجہ نہیں رہی۔''

داتن نے میز کے نیچے سے ایڈم کے جوتے کو پیر مارا مگر وہ متوجہ نہیں ہوا۔

''وہ یہ سب مجھے براہ راست بھی بتا سکتے تھے۔ایک ای میل کر دیتے۔ایک خط لکھ دیتے۔اتنی پہیلیاں کیوں رکھیں؟''

ایڈم بن محمد سوگواریت سے مسکرایا۔

''وان فاتح کب کوئی بات براہ راست کہتے ہیں؟ وہ تو ہمیشہ کوئی کہانی سناتے ہیں۔اپنا جواب سننے والے کو خود تلاشنا ہوتا ہے۔اب بھی انہوں نے ایک پہیلی چھوڑی تھی۔'' (دور گرے مروڑے ہوئے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔) ''آپ چاہتیں تو اس کو نہ حل کرتیں۔یہ آپ کی اپنی چوائس تھی۔''

''تو اب میں کیا کروں؟ ان کی انویسٹی گیٹر بن جاؤں؟'' وہ تڑپ کے بولی۔اسے بہت غصہ اور بہت دکھ تھا۔''مجھے کیا ان کی بیٹی کو جس نے بھی مارا ہو' وہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''مگر مسز عصرہ تو ہیں نا آپ کا مسئلہ۔آپ کو وہ بری لگتی ہیں اور آپ سے ان کا یہ نیا اچھا روپ بھی ہضم نہیں ہوا ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ان سے جیلیس ہیں۔''

''ایڈم....'' اس نے چھری اٹھائی تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ اس جیلسی کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتیں؟'' (تالیہ نے دھیرے سے چھری واپس رکھی۔)

''تم چاہتے ہو میں عصرہ کو ایکسپوز کروں؟'' بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچائیں۔ وہ شخص سب سے اہم ہے' اس کو بھلائی پہنچانا سب سے اہم ہے' اور یہ کام کرنے کا سب سے اہم وقت 'ابھی' ہے۔ آپ یہ کریں گی تو آپ کی یادداشت واپس آ جائے گی۔''

وہ رسان سے سمجھا رہا تھا اور داتن دانت پیستے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔

''میری یادداشت آدھی تو آ ہی چکی ہے اور باقی معلوم کرنے میں مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

''جو ہمیں معلوم ہوتا ہے چے تالیہ' وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کی کہانی میں ابھی بھی کچھ ایسا ہو جسے معلوم کرنا آپ کے لئے ضروری ہو۔''

''ہونہہ۔ مجھے نہیں یاد کرنا قدیم ملاکہ کو۔'' شہزادی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''ابھی تک آپ وان فاتح کی مدد اس لئے کر رہی تھیں کیونکہ آپ کو لگتا تھا وہ آپ کو ''اپنے لئے'' اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کو اپنی مدد کے لئے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ خود غرضی دکھا کے ان کو چھوڑ دیں گی؟ جس شہزادی تاشہ کو میں جانتا ہوں' جس کے قصے میں نے بنگارایا ملایو میں لکھے تھے' وہ خود غرض نہیں تھی۔''

''ظاہر ہے۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور کندھے اچکائے۔ ''تم یہ نہیں کہو گے تو اور کون کہے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ سارے دن کی تھکی ہاری آئی تھی یقیناً اب فریش ہونے جا رہی تھی۔

اوپر اس کے دروازے کے بند ہونے آواز آئی تو داتن غصے سے ایڈم کی طرف گھومی جو اب گردن جھکائے ہوئے تھا۔

''تم وان فاتح کی اتنی حمایت کیوں کر رہے تھے؟''

اداس نوجوان نے پلکیں اٹھائیں اور سوگواریت سے اسے دیکھا۔

''میں سچ بول رہا تھا۔ ایک باپ کا اپنی بیٹی کے قاتل کو ڈھونڈنے کے لئے کچھ کرنا خود غرضی نہیں ہوتی۔''

''وہ بالآخر وان فاتح سے متنفر ہوئی تھی اور تم اس موقع کو استعمال کر سکتے تھے۔ اف ایڈم' اف۔'' داتن نے مٹھیاں بھینچیں۔ ''فاتح سب بھلا چکا ہے' وہ اب کبھی یقین نہیں کرے گا کہ عصرہ اس کی بیٹی کی قاتل ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی اب صلح کر چکے ہیں۔ تالیہ اپنی زندگی میں واپس آ سکتی ہے۔ تم اس کو اس زندگی میں نہ دھکیلو جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔''

''ان کو وان فاتح سے محبت ہے۔ کسی کو unlove کرنا آسان نہیں ہوتا' داتن۔ آسان کیا' یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔''

''مگر چھوڑا تو جا سکتا ہے نا۔ تم اسے فاتح کو چھوڑنے دیتے۔ یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیونکہ میں سچا انسان رہنا چاہتا ہوں' داتن۔'' وہ زخمی مسکراہٹ سے بولا۔''اور سچا انسان خوشی اور غمی' دونوں حالتوں میں سچ بولتا ہے۔ورنہ عبادت تو منافق بھی کرتے ہیں اور اللہ کو مشرک بھی مانتے ہیں۔لیکن ایمان صرف سچ بولنے سے آتا ہے۔میں نے فاتح صاحب کی حمایت نہیں کی۔میں نے صرف سچ بولا ہے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا تو داتن نے دیکھا کہ اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اور چہرے پہ بے پناہ تکلیف تھی۔

''تم جانتے ہو تمہارا یہ سچ اسے عصرہ کو فاتح کی زندگی سے نکالنے اور اپنی جگہ حاصل کرنے کی امید تھما دے گا۔اور تمہاری تکلیف بڑھ جائے گی۔''

''ہمارے اللہ نے سچائی کے ساتھ فوری راحت کا وعدہ کیا بھی نہیں ہے۔سچائی میں بقا ہے' کامیابی ہے' دل کا سکون ہے' مگر ضروری نہیں ہے کہ اس میں خوشی بھی ہو۔سچائی قیمتی چیز ہے اور قیمتی چیزوں کے لیے تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں۔''

وہ یہ کہہ کے آگے بڑھا اور زمین پہ گرا کاغذ اٹھایا۔تہیں کھول کے اسے سیدھا کیا اور جیب میں ڈال دیا۔

''جو میں نے ملاکہ میں سیکھا ہے' میں سے بھلانا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے یاد کروانے والا کوئی نہیں آئے گا۔''

''اور کیا وان فاتح نے خود بھی ملاکہ میں کچھ سیکھا تھا؟'' وہ تندہی سے بولی۔

''بالکل۔مگر انہیں تب بھی یہ معلوم نہیں تھا جب ان کی یادیں ان کے پاس تھیں اور نہ اب معلوم ہے۔'' وہ داتن کو دیکھے بغیر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

حالم کا بنگلہ اب خاموش تھا اور ایڈم سامنے سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔اس کے کندھے ڈھلکے تھے اور چہرہ مغموم تھا۔

داتن نے اتنے دن سے اس کے اندر ناممکن کی امید جگا دی تھی۔مورخ کو شہزادی مل سکتی تھی۔اگر مورخ شاہی قبا پہن لے اور دربار میں اعلیٰ عہدہ حاصل کر لے تو وہ شہزادی کے قابل ہو جائے گا۔لیکن جانے کیوں شہزادیوں کو صرف غلام ہی پسند آتے تھے۔

اس کا بہت مشکل سے تندرست ہوتا دل ایک دفعہ پھر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔

وہ ساری دنیا بھی پھر لے' یا سارے زمانے کی کتابیں پڑھ لے' اسے تالیہ مراد جیسی لڑکی کبھی نہیں ملے گی۔

تالیہ مراد سے زندگی میں آپ ایک دفعہ ہی ملتے ہیں اور پھر اس جیسی محبت دوبارہ کسی سے نہیں کر سکتے۔

☆......☆......☆

تالیہ اوپر اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔سنہری بال اب کھول کے شانوں پہ پھیلا رکھے تھے اور چبھتی نظریں اپنے عکس پہ جمی تھیں۔مدھم لیمپ کے باعث کمرہ نیم اندھیر سا تھا۔وہ عکس کو دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھ رہی تھی۔ذہن کے پردے پہ وہ سارے لمحے چل رہے تھے جب وہ عصرہ سے پہلی دفعہ ملی....وہ فاتح کو لے کر اس ملک سے جانے کے لئے کتنی بے چین تھی۔اس نے تالیہ کو فائل

والے قصے میں پھنسانے کی بھی کوشش کی اور اب جب وہ ایک دم اچھی ہوگئی تو کیا تھا جو تالیہ مراد کو اس سے بے زار کر رہا تھا؟ شاید وہ اب خود سچ بولنے لگی تھی اور سچے لوگوں کو قدرت کی طرف سے یہ رعایت مل جاتی ہے کہ انہیں جھوٹوں کے جھوٹ ہضم نہیں ہوتے۔

''عصرہ محمود.... تم نے ایک پیاری سی بچی کو کیوں مارا؟ تم اصل میں کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟ کیا مجھے تمہارے پیچھے آنا چاہیے یا وان فاتح کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے؟''

اس نے سنگھار میز پہ رکھا فون اٹھایا اور اسکرین روشن کی تو ذوالکفلی کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''وان فاتح کی یادداشت سے چند قطرے کم ہوئے ہیں۔ اسے ابھی کچھ یاد نہیں آئے گا سوائے ٹوٹے خیالوں اور بکھرے خوابوں کی صورت کے۔ چناؤ کا اختیار اب بھی تمہارے پاس ہے، پتری تالیہ۔ تم اس بوتل کو تلف کر کے اس کے ذہن کی تختی کو صاف کر سکتی ہو۔ کیونکہ جیسے جیسے اسے اگلے سوالوں کے جواب ملیں گے، اس کی تکلیف بڑھتی جائے گی۔ تمہاری تکلیف اور تمہارے خوابوں نے تمہیں دیوانہ کر کے قدیم ملاکہ میں پہنچا دیا تھا۔ سوچو اس کے خواب اس کے ساتھ کیا کریں گے؟''

اس نے دھیرے سے فون رکھ دیا۔ پھر پلکیں اٹھا کے اپنے عکس کو اجنبیت سے دیکھا۔

اسے اپنی خواب دیکھنے کی صلاحیت واپس کب ملی تھی؟ جب اس نے سات برس پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے ماضی کو بھلا کے اس شخص کو اہم جانے گی جو اب اس کے ساتھ ہے۔ اس کا شوہر۔

سات برس اس کے خواب اسے چابی کا راستہ دکھاتے رہے تھے اور ماضی کے وہ چند ٹکڑے جو اس کو آج تک دکھائی دیے تھے وہ ائیرپورٹ پہ کیے اس ایک فیصلے کا نتیجہ تھے۔

اس کا کیا مطلب تھا؟

یہی کہ تالیہ مراد نے آج تک مکمل طور پہ ان تین سوالوں کے جواب نہیں پائے تھے۔ اور آج اسے ان کو پانا تھا۔

لیمپ کی مدھم زرد روشنی کمرے میں بکھری تھی اور شہزادی اسٹول پہ بیٹھی اپنے عکس کو تکے جا رہی تھی۔

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟

انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہونا چاہیے؟

کسی کام کو کرنے کا سب سے اہم وقت کون سا ہونا چاہیے؟)

''تم خود سب سے اہم ہو، تالیہ۔'' اندر سے کسی نے جھنجھوڑا۔ ''تمہیں وان فاتح کو چھوڑ کے کچھ عرصہ انڈر گراؤنڈ چلے جانا چاہیے یا کسی دوسرے ملک۔ تمہارے خلاف تفتیش شروع ہو چکی ہے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے تالیہ۔''

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟)

اس نے فون اٹھایا اور کال ملا کے اسپیکر آن کیا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھتی' موبائل ہتھیلی پہ اٹھائے بولی۔

''میں ان یادداشتوں کو تلف کر کے یہاں سے نہیں بھاگوں گی۔ مجھے ان سے ہزار گلے ہیں' ذوالکفلی' مگر جس شخص سے وفاداری کا عہد کیا تھا' جس کی کیمپئن مجھ پہ انحصار کر رہی ہے' میں الیکشن سے پہلے ان کو چھوڑ جاؤں؟ ہرگز نہیں۔ میں ان کو نہیں چھوڑوں گی۔ وہ میرے لئے اس وقت سب سے اہم ہیں۔ خود سے بھی زیادہ۔''

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟)

''پتری تالیہ.... اس کے ساتھ رہنا تمہارے اوپر مصیبتیں لاسکتا ہے۔'' وہ فکرمند تھا یا شاید بن رہا تھا۔

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور اس وقت اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچانا میرے لئے سب سے اہم ہے۔'' وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے تکلیف سے بولی۔ نگاہوں کے سامنے اپنی تمام شناختیں' تمام چہرے' حلیے' اور چوریاں گھوم گئیں۔ اگر تفتیش کرنے والوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو....؟

مگر اس نے سر جھٹک دیا۔

''میں تمہارے لئے فکرمند ہوں' تالیہ۔ تم اس کی یادداشتیں تلف نہ کرو مگر ابھی انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ وہ وزیرِاعظم بن جائے' دس ماہ یا سال کے اندر اندر تم واپس آجانا اور اس کی مدد کرنا۔''

(انسان کی زندگی میں کسی بھی کام کا سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟)

''نہیں ذوالکفلی۔'' شہزادی نے خود کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''جو کرنا ہے' ''ابھی'' کرنا ہے۔''

''تالیہ.....'' وہ جیسے غمگین ہوا۔ ''کاش تم نے اپنے تینوں سوالوں کے جواب نہ حاصل کیے ہوتے۔ تم نے اپنی زندگی مزید مشکل بنادی ہے۔''

''میرے ماضی میں ایسا کچھ نہیں ہے جس کو یاد کرنے سے مجھے فرق پڑے یا وہ مجھے پہلے سے معلوم نہ ہو۔ میری فکر مت کریں۔'' اس نے بے نیازی سے کہہ کے فون رکھ دیا۔ پھر برش اٹھا کے آہستہ آہستہ بالوں میں پھیرنے لگی۔

ویسے بھی ایک بچی کے بچپن کے چند فراموش کردہ سالوں میں ایسا کیا ہوسکتا تھا جو اب اس کی زندگی پہ اثر انداز ہو؟ وہ اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

یہ تالیہ بنتِ مراد کی خوش فہمی کی آخری رات تھی۔

☆......☆......☆

فاتح کی آنکھ فجر کے قریب ایک جھٹکے سے کھلی۔اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔پہلے تو ماؤف ہوئے ذہن سے ادھر ادھر دیکھا۔وہ کہاں تھا؟اپنے گھر کے ماسٹر بیڈروم میں۔اے سی کی ٹھنڈ میں....بے خبر سوئی عصرہ کے قریب....اس نے گہری سانس لی۔

تو وہ سب خواب تھا مگر عجیب سا خواب تھا۔

اس نے خود کو جنگل میں دیکھا تھا۔حبس اور گرمی میں پسینے سے شرابور....درختوں کے درمیان ایک گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روتی ہوئی لڑکی....سنہرے بال...کیچڑ آلود کپڑے....وہ اسے کہتا ہے Make a wish اور وہ کہتی ہے کہ اسے چاکلیٹ کھانی ہے تب وہ اسے وہ پھل دیتا ہے۔اس پھل کی خوشبو اسے اب تک محسوس ہو رہی تھی۔

اور جنگل کی گرمی بھی۔

وہ باتھ روم میں آیا اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے چہرے پہ پانی ڈالا۔خواب ابھی تک ذہن میں تازہ تھا۔وہ لڑکی تالیہ تھی'اور وہ پھل....پھل نہ جانے کون سا تھا۔مگر وہ اپنی چیف آف اسٹاف کو خواب میں کسی فینٹسی ورلڈ میں کیوں دیکھ رہا تھا؟

یا اللہ' کیا یہ بڑھتی عمر کا اثر تھا یا ایک خوبصورت عورت کے ساتھ کام کرنے کا نقصان؟

اس نے سر جھٹکا اور زور سے تولیے سے چہرہ رگڑا۔شاید اسے ڈر تھا کہ اس خواب کا نشان کوئی اس کے چہرے پہ نہ دیکھ لے۔

صبح ناشتے کی میز پہ وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' پلیٹ کی طرف متوجہ تھا اور عصرہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ جوڑا باندھے' کانوں میں موتی پہنے' نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔خود بھی کہیں جانے کے لیے تیار لگتی تھی۔آج کل اس کی مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔

''تم نیند میں ڈسٹرب لگ رہے تھے۔'' دفعتاً اس نے تربوز کا شربت گلاس میں انڈیلتے ہوئے غور سے وان فاتح کو دیکھا۔

اس نے پلیٹ پہ جھکے' چھری کانٹے سے انڈا توڑتے ہوئے شانے اچکائے۔

''اچھا....مجھے پتہ نہیں چلا۔''

(ہاں تمہیں پتہ نہیں چلا کہ تم نیند میں ''Make a wish , Taliyah'' بڑبڑا رہے تھے؟) اس نے اندر ہی اندر بل کھاتے سوچا مگر بظاہر مسکراتی رہی۔

''مجھے لگا کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے۔''

''مجھے کھلی آنکھوں والے خوابوں کی عادت ہے۔'' مسکرا کے شانے اچکائے تو عصرہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

(تردید نہیں کی۔واہ۔)

بچے اسکول جا چکے تھے'اس لئے وہ دونوں ناشتے کی طویل میز پہ تنہا بیٹھے تھے۔ملازم ناشتہ لگا کے ہٹ چکے تھے۔کھڑکی سے باہر اس کی کار کے ساتھ ڈرائیور قمر (جو آدھا باڈی مین بھی تھا) اور گارڈز کھڑے نظر آتے تھے۔

"تالیہ آج نہیں آئی۔ وہ اب اکثر نہیں آتی۔" عصرہ نے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے کان کے موتی پہ انگلی پھیرتے پوچھا۔

"اشعر تاشہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے کل اسے کہا کہ وہ اس سے بات کرلے۔" اس نے صرف تالیہ کا نام سنا تو جیسے بتانا یاد آیا۔

"اس کا نام تالیہ ہے' فاتح....اور وہ تو شادی شدہ ہے۔نہیں؟" تحمل سے یاد دلایا۔

"اس نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ اس کی شادی ختم ہونے والی ہے۔"

"چلو اچھا ہے کہ وہ اپنے مسئلے بتاتی رہتی ہے۔ اچھے کولیگز کو ایک دوسرے کا یونہی خیال رکھنا چاہیے۔" مسکرا کے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ فاتح اب نیپکین سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔ اس کی نظریں پلیٹ پہ تھیں اور عصرہ کی چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"میرا فون چارج ہو گیا ہو تو لے آؤ۔" وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور کوٹ پہنتے ہوئے یاد دلایا۔ عصرہ کی بات کو نظر انداز کیا۔ مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی تھی۔ کوئی تو چور تھا وان فاتح کے دل میں۔

وہ اندر آئی اور اس کا فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا۔ چارجر پن نکالی تو اسکرین روشن ہوئی۔ عصرہ نے لمحے بھر کو سوچا' پھر گول بٹن دبایا۔ پرانا پاسورڈ درج کیا۔ 2580۔ اوپر سے نیچے قطار کی صورت۔ مگر فون نے کھلنے سے انکار کر دیا۔

"تم نے پاسورڈ بدل دیا ہے فون کا؟ مجھے کال کرنے کے لئے کھولنا پڑا تو کھلا نہیں۔"

"پتہ نہیں۔ تاشہ پاسورڈز بدلتی رہتی ہے اور اینٹی وائرس ڈالتی رہتی ہے تاکہ فون ہیک نہ ہو۔ میں تو فنگر پرنٹ سے کھولتا ہوں۔" اس نے سرسری سا کہتے ہوئے فون لیا اور لاپرواہی سے جیب میں ڈالتا' کوٹ کی نادیدہ سلوٹیں درست کرتا آگے بڑھ گیا۔ عصرہ طنزیہ مسکرا دی۔

اس کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی' دروازہ بند کیا' اور غصے سے کلپ نوچ کے دیوار پہ مارا۔ سارے بال آبشار کی طرح کمر پہ گرتے چلے گئے۔

"تاشہ...تاشہ...تاشہ..." اس نے دونوں مٹھیاں کنپٹیوں پہ رکھ لیں اور گھٹا گھٹا سا چلائی۔ "میری آدھی عمر آریانہ سنتے بیت گئی اور اب یہ تاشہ...."

دیوار پہ لگے بیضوی آئینے میں وہ غیض وغضب کی تصویر بنی نظر آرہی تھی۔

"وہ سمجھتا ہے کہ تالیہ اور اس کے درمیان جو بھی چلتا رہے' وہ میرے سامنے اپنا "ایماندار اور سچا" امیج قائم رکھے گا؟ وہ سمجھتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں؟"

وہ قدم قدم چلتی قریب آئی اور اپنے عکس کو دیکھا۔ بھیگی آنکھوں نے کاجل کو پھیلا دیا تھا اور بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ اس نے کلینزر کی بوتل پوروں پہ انڈیلی اور پھر اسے آنکھوں تلے لگایا۔

''فاتح رامزل.....میں تمہارا پردہ چاک کر کے دکھاؤں گی۔بس اس الیکشن کو گزر جانے دو۔''

وہ ٹشو سے اب آنکھ کے کنارے صاف کر رہی تھی۔

''میں بے وقوف عورتوں کی طرح روز روز تم پہ شک نہیں کروں گی۔ میں ثبوت کے ساتھ ایک ہی دفعہ تمہیں شرمندہ کروں گی ۔تب تک جتنے تعلقات نبھانے ہیں تالیہ مراد سے نبھالو۔'' رگڑ کے کاجل صاف کیا تو آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

''اور تالیہ مراد.....میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی۔'' وہ اب سنبھلی ہوئے انداز میں بالوں کو واپس لپیٹ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں اپنی دوست بنایا تاکہ تم اشعر کی زندگی کی ساتھی بن سکو لیکن تم تو میرے ہی ساتھی کے پیچھے پڑ گئیں۔میری نظروں سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔یاد رکھنا' فاتح صرف عصرہ کا رہے گا۔اگر نہیں تو پھر کسی کا نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے کس کے جوڑا بنایا' پھر چہرے پہ میک اپ فکسر کو اسپرے کیا اور مسکرائی۔خوبصورت سیاسی بیوی کی رسمی مسکراہٹ۔اور پرس اٹھا لیا۔

وہ آج پھر ایک جگہ مدعو تھی اور اسے اپنے اس کردار کو بخوبی نبھانا تھا۔

وان فاتح کے لئے نہیں۔خود اپنے لئے۔

☆......☆......☆

لفٹ اوپر کی طرف گامزن تھی۔باریسن نیشنل کا آفس چند منزلیں دور رہ گیا تھا۔اندر تنہا کھڑی تالیہ منزلوں کے بدلتے نمبرز دیکھ رہی تھی۔اے لائن قمیض کے اوپر اس نے سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا اور بالوں کی مانگ نکال کے پونی بنا رکھی تھی۔چہرہ مطمئن اور پرسکون تھا۔وہ اچھی نیند لے کر اٹھی تھی اور کسی خواب' کسی یادداشت نے اسے نہیں ستایا تھا۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو اس نے آفس کی لابی میں قدم رکھا۔سامنے ریسپشن ڈیسک پہ اس کی جانب پشت کیے کھڑا اشعر ریسپشنسٹ سے کچھ کہہ رہا تھا۔کسی خیال کے تحت مڑا تو تالیہ پہ نظر پڑی۔

وہ بھی اس کے عین سامنے آ کے رک گئی۔نظریں اس کی گردن پہ لگے کٹ پہ ٹھہر گئیں۔ پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔

اشعر محمود کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔وہ خاموشی سے راستہ دینے کے لئے ہٹ گیا تو وہ آگے بڑھ گئی۔اشعر بھی پیچھے آیا۔وہ یقیناً اپنے آفس جا رہا تھا۔

تالیہ آگے چلتی اس کے ہی آفس کے دروازے پہ جا رکی اور پھر اس کی طرف گھومی۔

وہ چونکا۔

''کل رات کے لئے سوری' ایش۔'' وہ مصالحتی مگر سنجیدہ انداز میں بولی۔''مجھے اتنی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں اس کے آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے اور فی الوقت راہداری میں کوئی نہ تھا۔

''بالکل۔ آپ کو نہیں کرنا چاہیے تھا مگر....'' وہ اس کی معذرت پہ متعجب ہوا تھا۔ ''آپ کا غصہ فطری تھا۔''

''خیر... اب وہ معاملہ سیٹل ہو چکا ہے۔ میں نے عصرہ سے بات کر لی تھی۔ وہ بھی اپنے عمل پہ شرمندہ تھیں۔ ان کو افسوس ہے کہ انہوں نے آپ سے ایسا کام کیوں کروایا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر نے گہری سانس بھری۔

''ان کا قصور نہیں ہے' وہ صرف....''

''قصور آپ دونوں کا ہے' ایش۔ مجھے گلہ صرف یہ ہے کہ آپ لوگ ڈائریکٹ صوفیہ رحمٰن کے پاس چلے گئے۔ اگر آپ کو مجھ سے مسئلہ تھا تو آپ میرے پاس آتے' ایک دفعہ تو مجھ سے کہتے کہ تالیہ تم یہ جاب چھوڑ دو' ہم تمہیں اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتے۔ کہہ کے تو دیکھتے۔''

وہ دکھ سے بولی تو اشعر نے مزید تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں آپ سے یہ کہتا تو آپ کیا کرتیں؟''

''میں کیا کرتی؟'' وہ دو قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''میں آپ کی شہ رگ پہ خنجر رکھ کے کہتی کہ تالیہ مراد اس آفس سے کہیں نہیں جا رہی' اور اگر کسی نے اسے نکالنے کی کوشش کی تو وہ جان سے جائے گا۔'' پھر اس کی گردن کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر اس کے لئے سوری۔''

اشعر کا تعجب عنقا ہوا۔ لبوں پہ زخمی مسکراہٹ در آئی۔ لمحے بھر کو اس کا معذرت خواہانہ انداز دیکھ کے اسے عجیب سا لگا تھا مگر تالیہ ویسی ہی تھی' جیسی ہمیشہ ہوتی تھی۔ دیکھ کے اچھا لگا تھا۔

وہ آگے بڑھ گئی تو اس نے بشاشت سے پکارا۔

''کانفرنس روم میں آجائیے' چے تالیہ۔ باس پہنچنے والے ہیں۔ ایک ضروری امر زیرِ غور ہے۔''

وہ مڑی نہیں' بس سر ہلا کے آگے چلتی گئی۔

☆......☆......☆

سوپ پارلر اس صبح قدرے ویران پڑا تھا کیونکہ ''ملے'' دیر سے بیدار ہونے والی قوم تھی اور ایسی جگہوں پہ رش دوپہر کے بعد ہی بڑھتا تھا۔ فی الوقت میزیں خالی خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں ریسپشنسٹ ہو یا موپ لگا تا لڑکا' سب کنکھیوں سے درمیانی میز پہ بیٹھے بوڑھے شیف کو دو نوارد آدمیوں سے بات کرتے دیکھ رہے تھے۔

پراسیکیوٹر احمد نظام آگے کو جھکے شیف کی آنکھوں کو پڑھ رہے تھے اور ساتھ بیٹھا انویسٹی گیٹر باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔

بوڑھا شیف ہاتھ میں پکڑی انلارج تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

'یہ لڑکی....آپ پوچھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے پاس کام کرتی تھی یا نہیں؟''

''میں کورٹ سے ایک آرڈر لا کے آپ کے ریستوران کے اردگرد تمام دکانوں کے سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا سکتا ہوں' شیف صاحب۔لیکن میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے پوچھ لوں تاکہ....''

''تو پوچھیے نا۔'' شیف نے مسکرا کے تصویر واپس رکھی اور پیچھے کو ہو کے بیٹھا۔

''یہ لڑکی تالیہ مراد اس ریستوران میں جاب کرتی تھی کیا؟'' پراسیکیوٹر نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھا۔

''جی۔بالکل۔اس نے چند ماہ یہاں جاب کی تھی۔کیا آپ کو کاغذی ثبوت بھی فراہم کر دوں؟''

شیف کا جواب پراسیکیوٹر کے لئے غیر متوقع تھا۔انہوں نے چونک کے انویسٹی گیٹر کو دیکھا۔وہ بھی سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''بالکل۔مجھے تمام ڈیٹا چاہیے۔ایک ایک چیز۔''

''میں ہر چیز نکال لاتا ہوں۔اور ہاں....وہ اس ریستوران کے علاوہ تنگو کامل کے گھر بھی کام کرتی تھی۔ان سے واقف ہیں آپ؟ وہ ان کی ملازمہ تھی۔''

''نہیں۔ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ ہے آپ کے پاس؟'' پراسیکیوٹر احمد نظام بالکل سیدھے ہو چکے تھے۔ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

''بالکل ہے۔میں ابھی لاتا ہوں۔'' شیف سادگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ریسپشنسٹ' سوئپرز' ویٹرز سب کنکھیوں سے ان افراد کو دیکھ رہے تھے جو اب دبی دبی پر جوش سرگوشیوں میں مصروف ہو چکے تھے۔بالآخر ان کے ہاتھ ایک ٹھوس کلیو لگا تھا۔

☆......☆......☆

کانفرنس روم میں اس وقت محض وہ تینوں موجود تھے۔فاتح شرٹ کی آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے کھڑا دیوار پہ نصب اسکرین کو دیکھ رہا تھا جبکہ تالیہ اور اشعر اس کے دائیں بائیں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔آفس کی ایک مصروف صبح کا آغاز ہو چکا تھا اور اسکرین پہ حاکمی کو دکھایا جا رہا تھا۔حاکمی درمیانے قد اور اڑے اڑے بالوں والا سیاستدان تھا جو پارٹی انتخابات میں وان فاتح کا مخالف امیدوار تھا۔

باریسن نیشنل کے صدر کے لئے ہر پانچ سال بعد الیکشن (چناؤ) منعقد کیا جاتا تھا۔جو شخص صدر بنتا' پارٹی کی حکومت آنے پہ اسی کو وزیرِ اعظم بنایا جاتا تھا۔چونکہ پارٹی اس وقت اپوزیشن میں تھی' اس لئے سرکاری ٹی وی چینلز بی این کے انتخابات کی کوریج نہیں کرتے تھے۔یہ انتخابات عام انتخابات کی طرح پولنگ اسٹیشنز پہ بیلٹ پیپر کے ذریعے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس میں صرف ان ڈھائی لاکھ لوگوں نے

حصہ لینا تھا جو پارٹی کے ممبرز تھے۔

الیکشن والے دن ان ممبرز نے اپنے فون سے پارٹی کی ویب سائٹ پہ جا کے اپنا شناختی کارڈ نمبر درج کر کے کسی ایک امیدوار کو ووٹ دینا تھا۔ چونکہ یہ انتخاب سوشل میڈیا کے ذریعے ہونا تھا' اس لئے اس کی ساری مہم بھی سوشل میڈیا پہ چلائی جا رہی تھی۔ اس وقت اسکرین پہ ان کے سامنے حاکمی کے فیس بک پیج پہ اپ لوڈ کی گئی ایک ویڈیو دکھائی جا رہی تھی جس میں حاکمی اور اس کی بیوی ایپرن پہنے کسی مسجد کے باہر گھاس پہ کھڑے چاول پلیٹوں میں بھر بھر کے بچوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ یہ کسی چیریٹی ایونٹ کی ویڈیو تھی جس میں (بقول رپورٹ کے) وہ میاں بیوی باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے۔ کمیونٹی سروس کی اس خوبصورت مثال کو وہاں ہجوم میں کھڑے لگے لوگ سراہ رہے تھے۔ باری باری یتیم بچے اپنا پیالہ لاتے اور سیاستدان صاحب مسکرا کے اس کو چاولوں سے بھر دیتے۔

ہر گزرتے بچے کے ساتھ وان فاتح کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اشعر نے ریموٹ اٹھا کے اسکرین بجھائی اور کرسی فاتح کی طرف گھمائی جو ناخوش لگ رہا تھا۔

''حاکمی کبھی یتیم خانوں کا دورہ نہیں کرتا۔ میں اسے جانتا ہوں۔''

''ہم سب اسے جانتے ہیں' آبنگ۔ مگر آپ کی چائے والی ویڈیو اتنی مشہور ہوئی کہ حاکمی کو یہ اسٹنٹ کرنا پڑا۔''

''یعنی حاکمی نے ہماری نقل کی ہے۔ واؤ۔'' وہ سر جھٹک کے بولی تو فاتح نے نظروں کا رخ پھیر کے اسے دیکھا۔ وہ سنہرے بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کے پونی بنائے' سیاہ کوٹ میں سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

اس کے ذہن میں صبح دیکھا گیا خواب ابھرا۔ کیچڑ اور سرخ مٹی سے لت پت چہرے والی تالیہ جسے وہ جھک کے کہہ رہا تھا۔

کوئی خواہش کرو۔

اس پھل کی خوشبو ابھی تک اس کے نتھنوں میں محسوس ہوتی تھی....

فاتح نے سر جھٹکا اور میٹنگ پہ توجہ دی۔

تالیہ کہہ رہی تھی۔ ''اور اب حاکمی کی ویڈیو بھی مشہور ہو رہی ہے۔ سوشل میڈیا پہ لوگ اچھی چیز کم اور مشہور چیز زیادہ دیکھتے ہیں۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے۔'' اشعر نے ہاتھ جھاڑے۔ ''ہم کوئی نیا اسٹنٹ کر لیتے ہیں' جو اس ویڈیو کو ماند کر دے۔''

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے کھڑا وہ اکتایا ہوا لگتا تھا۔

''کسی کی لکیر کو چھوٹا کرنے کے لئے اسے کاٹنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس سے بڑی لکیر لگانی پڑتی ہے۔ اس سے مقابلے کی بجائے اس سے بہتر کام کرنے کی کوشش کرو۔'' وہ ناخوشی سے کہہ کے مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

اشعر نے بے اختیار تالیہ کو دیکھا۔

''میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ ہم اس سے بہتر اسٹنٹ کر سکتے ہیں۔''

وہ سر جھکائے فولڈر میں کاغذات ڈالنے لگی۔''ان کو اسٹنٹ کرنا پسند نہیں ہے۔ ہم ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔''

''چائے کا اسٹال بھی تو ہم نے ان کو بغیر بتائے منتخب کیا تھا' چے تالیہ۔''

''تب ہم ٹیم تھے اور ہم میں سے کسی ایک نے دوسرے سے غداری کی کوشش نہیں کی تھی۔'' کھٹاک سے فولڈر بند کیا اور چیخ کے بولی۔

''وان فاتح نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں آپ سے بہتر تعلقات کا خواہاں ہوں تو مجھے آپ سے سچ بول کے تمام معاملات درست کر لینے چاہئیں۔ پہلی دفعہ میں نے ان کی نصیحت مانی اور اس کا نقصان ہی ہوا۔'' وہ تلخ ہوا۔

(بہتر تعلقات؟) وہ لمحے بھر کو سن رہ گئی۔ اشعر نے پہلی دفعہ اتنے ڈائریکٹ انداز میں بات کی تھی۔ تو کیا وہ اور فاتح اسے ڈسکس کرتے رہے تھے؟

''یہ نصیحت آپ کو وان فاتح نے کی تھی؟'' اس کے گال سرخ ہوئے۔

''بالکل۔ آپ ان سے کنفرم کر لیجئے۔'' وہ تلخی سے کہہ کے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

باہر نکلا تو فاتح راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی فون پہ کچھ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ کنکھیوں سے اسے آتے دیکھا تو سرسری سا پوچھا۔

''تم نے تاشہ سے اپنے معاملات درست کر لیے؟''

''نہیں۔ مزید بگڑ گئے ہیں۔ اب وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔''

اشعر کڑواہٹ سے کہہ کے آگے بڑھ گیا تو وہ چونک کے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

صبح تک اسے لگا تھا کہ 'اشعر اور تالیہ' کا ایک ہونا ''ممکن'' ہے مگر یہاں تو....؟

خیر....اسے دکھ نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ محض شانے اچکائے اور اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ تالیہ کی میز کرسی اس کے آفس کے باہر بچھی تھی اور اس پہ اس کی چیزیں رکھی تھیں۔

وہاں کوئی مانوس خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ چونک کے میز کو دیکھا جس پہ ایک چھوٹی ٹوکری میں تین کو کو فروٹ رکھے تھے۔

کسی سحر زدہ لمحے کے زیرِ اثر فاتح نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پھل اٹھایا۔ اس پھل کی کھردری جلد' رنگ....سب وہی تھا۔

''کھائیں گے؟'' تالیہ کی آواز پہ چونکا۔

وہ ہال کی چوکھٹ پہ کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ فاتح نے اونہوں کہتے ہوئے آہستہ سے پھل رکھ دیا۔

''یہ وہی پھل ہے نا جو تمہارا شوہر تمہیں بھیجتا ہے۔'' سرسری سا پوچھا۔

وہ آگے آئی اور اپنی چیزیں میز پہ رکھیں۔ پھر ان کو ترتیب سے جوڑنے لگی۔ سر جھکانے سے سنہری پونی دائیں بائیں جھولنے لگی تھی۔

''جی۔ اسے لگتا ہے مجھے یہ بہت پسند ہیں۔''

''تو نہیں پسند کیا؟''

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جس میں وہ اچھی لگتی ہے۔ بار بار دہرانے سے وہ اپنا اثر کھو دیتی ہے۔ مجھے یہ پھل صرف تب اچھا لگا تھا جب.... خیر۔'' اس نے سر جھٹکا۔ جنگل والا واقعہ یاد آیا تھا۔

''جب؟''

''میری سالگرہ پہ اس نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تو میں نے کہا کہ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے اور اس نے یہ پھل لا دیا۔ اس کے اندر کا گودہ اس وقت چاکلیٹ جیسا لگا تھا۔ اب نہیں لگتا۔''

''اس نے چاکلیٹ کیوں نہیں دی؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور سادگی سے بولی۔ ''کیونکہ ہم اس وقت جنگل میں تھے' سر.... اور جنگلوں میں پسند کی چیزیں نہیں ملتیں۔''

لمحے بھر کو وان فاتح ساکت رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

عجیب De Ja vu جیسا احساس تھا جو اس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ کچھ ایسا ہی دیکھا تھا اس نے خواب میں؟

پھر بدقت وہ مسکرایا اور ''ہوں'' کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

(شاید اس نے مجھے یہ کہانی پہلے بھی سنائی ہو تبھی میرا لاشعور اسے خواب کی صورت میرے سامنے لے آیا ہو۔ میں چیزیں بھولنے لگا ہوں۔ شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔) اس نے ذہن سے ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

جتنا وہ اس خواب کو یاد کرنے کی کوشش کرتا' اتنا وہ ذہن سے محو ہونے لگتا۔

تالیہ نے کنکھیوں سے اسے اندر جاتے دیکھا اور سوچا۔ (کیا اسے کچھ یاد آیا تھا؟ اس نے اسی پھل کے بارے میں کیوں پوچھا؟ شاید ایسے ہی۔) وہ مشکوک سی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی اپنی چیزیں جوڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر کے باغیچے میں مرغی گھاس چگتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور چوں چوں کرتے اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ برآمدہ خالی پڑا تھا اور راہداری کا دروازہ کھلا تھا۔ کچن سے مصالحوں کی خوشبو اور برتنوں کے کھڑکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

بھاری بھرکم داتن شاپنگ بیگز اٹھائے برآمدے میں کھڑی تھی۔ زور سے سلام جھاڑا تو ایڈم کی ماں تولیے سے ہاتھ پونچھتی راہداری میں آئی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں لیانہ صابری ہوں۔ ایڈم سے ملنا ہے۔''

ماں نے اچھنبے سے اس ڈھیلے سے جبے میں ملبوس فربہ عورت کو دیکھا جس کے گھنگریالے بال کندھوں تک آتے تھے اور وہ اسے دیکھ کے پلکیں جھپکا جھپکا کے مسکرائی تھی۔

''میں ایڈم کو بلاتی ہوں۔'' وہ اسے سر سے پیر تک دیکھتی اندر چلی گئی۔

ایڈم کاغذوں کا ڈھیر پھیلائے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ پین سے مختلف جگہوں پہ نشان لگا رہا تھا۔ ماں اس کے سر پہ جا کے غرائی۔

''یہ تم سے ملنے عجیب عجیب لوگ کیوں ہر روز چلے آتے ہیں؟''

''اب کون آیا ہے؟''

''ایک امیر سی عورت۔'' ماں کی نظروں میں اس کے ہاتھوں میں پکڑے ڈیزائنر شاپنگ کے بیگز گھوم گئے۔

ایڈم نے گہری سانس لے کر کاغذ اکٹھے کیے۔ لبوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

''وہ ایک شہزادیوں جیسی خوبصورت اور رحم دل لڑکی ہے' ایبو۔ اس میں عجیب کیا ہے۔''

پھر سر اٹھایا تو ماں بے یقینی سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ چونکا۔

''چے تالیہ آئی ہیں نا؟'' ایبو نے دائیں بائیں گردن ہلائی تو وہ کاغذ چھوڑ کے تیزی سے باہر بھاگا۔

برآمدے میں آرام کرسی پہ داتن پیروں کی قینچی جمائے بیٹھی موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میز پہ شاپنگ بیگ رکھے تھے۔

وہ کمر پہ ہاتھ جمائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو دھوپ کا راستہ رک گیا۔

''یہ آپ کیا اٹھا لائی ہیں۔''

داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم جتنے اچھے نظر آ سکتے ہو' اتنے نظر بھی آؤ۔''

ایڈم کے ہاتھ پہلوؤں میں جا گرے۔ حیران سا ہو کے اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

''آپ مجھ سے کیا کروانا چاہ رہی ہیں۔''

''تم نے کچھ نہیں کرنا۔ تم اب ایک معروف اخبار کے رپورٹر ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم سیلیبریٹی رپورٹر بن جاؤ۔ ویسے تو اپنی کنسلٹنسی کی میں فیس لیا کرتی ہوں لیکن تم تالیہ کے دوست ہو تو تمہیں میں معاف کرتی ہوں۔''

شانِ بے نیازی سے ہاتھ جھلایا۔ ایڈم نے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا اور پھر آگے کو جھک کے ان بیگز میں جھانکا۔

''برانڈڈ سوٹ، جوتے، شرٹس، گھڑی۔ اور یہ ہیئر موز، پرفیومز۔ اف داتن.... اس سب کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''یہ سب ضروری ہے۔ اور اب تم میرے ساتھ میری دوست کے سیلون چل رہے ہو جہاں تمہارا نیا ہیئر کٹ کیا جائے گا، تمہیں گروم کیا جائے گا، تمہیں بڑے اینکرز کی طرح اوڑھنا پہننا سکھایا جائے گا۔ پھر تم جم جاؤ گے۔ گو کہ تم پتلے ہو مگر تمہیں شیپ میں آنے کی ضرورت ہے۔ اور پھر....''

''آپ مجھے چے تالیہ کے قابل بنانا چاہتی ہیں؟'' وہ زخمی سا مسکرایا تو داتن نے گہری سانس لی۔

''تم کسی بھی طرح وان فاتح سے کم نہیں ہو۔ کپڑوں جوتوں سے بہت فرق پڑتا ہے۔ ابھی وان فاتح کو عام سا لباس پہنا دو تو کوئی اسے دیکھے گا بھی نہیں۔''

''وہ جیا میں معمولی لباس پہن کے ہی چائے بنایا کرتے تھے اور چے تالیہ ان کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا کرتی تھیں۔''

اس کی مسکراہٹ کا زخمی پن گہرا ہوا۔ داتن نے گہری سانس لی اور آگے کو ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تم ایمانداری سے اسے حاصل کرنا چاہتے تھے نا؟ ایمانداری میں مشقت ہے۔ اور قیمتی انسان مشقت کے بغیر نہیں حاصل کیے جا سکتے، ایڈم بن محمد۔ خود پہ محنت کرو اور اپنی ذات میں اعتماد لاؤ۔ اگر اس کے بعد بھی وہ تمہیں ٹھکرا دے تو قسمت کو الزام دینا، خود کو نہیں۔ کیونکہ جب انسان خود کو الزام دینے لگے تو رشتہ ٹوٹنے کے غم کو سروائیو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

وہ چند لمحے اداسی سے اسے دیکھے گیا، پھر مسکرا کے سر ہلایا۔ ''اوکے۔ تو اب ہم سیلون چل رہے ہیں؟''

''ہاں، اب ہم سیلون چل رہے ہیں۔'' داتن بھی مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگر اسے تالیہ کی نظروں میں خود کو کسی قابل بنانے کے لئے محنت کرنی تھی، تو وہ کرے گا۔

اگر زندگی چانس کا دوسرا نام ہے، تو ایک چانس وہ بھی لے گا۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے طے کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کا گیٹ کھلا تھا اور اندر ایک کار جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ عصرہ محمود جو کہ ابھی ابھی تیار ہو کے پورچ میں آئی تھی، اندر آتی کار کو دیکھ کے وہیں ٹھہر گئی۔ ڈرائیور اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا منتظر تھا اور وہ اس کار کو رکتے ہوئے دیکھ رہی تھی جس کے اندر اشعر بیٹھا تھا۔

''تم کہیں جا رہی تھیں، کاکا؟''

وہ کار سے باہر نکلا اور اس کی طرف آیا۔ عصرہ کو دیکھتے ہی نظروں میں ستائش در آئی تھی۔ سبز اسکرٹ بلاؤز کے اوپر زرد اسٹول سر پہ اوڑھے، وہ کانوں میں ہیرے پہنے بہت باوقار لگ رہی تھی۔ آنکھیں البتہ مشکوک انداز میں اس پہ جمی تھیں۔

''ہاں۔دن میں کئی جگہوں پہ جانا پڑتا ہے۔تم اس وقت یہاں؟''

وہ ناشتے کے وقت آیا کرتا تھا یا رات میں۔یوں کام کے اوقات میں کب آتا تھا۔

''فون پہ بات کرنا مناسب نہیں تھا۔اس لئے خود آ گیا۔'' ساتھ ہی اشعر نے ہاتھ کے خفیف سے اشارے سے ارد گرد کھڑے گارڈز اور ڈرائیور کو دور جانے کا کہا۔وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔اب وہ دونوں عصرہ کی کار کے ساتھ آمنے سامنے اکیلے کھڑے تھے۔

''وہ بہت ناراض ہے مجھ سے' کا کا۔ہمیں اس کے خلاف یہ چال نہیں چلنی چاہیے تھی۔''

''کون؟'' عصرہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تالیہ اور کون۔'' پھر وہ ٹھٹکا۔''اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے صبح اسے خود سارے معاملے سے آگاہ کر دیا ہے کہ صوفیہ رحمٰن کے پاس عثمان کو بھیجنے کا آئیڈیا آپ کا تھا۔''

''یا اللہ' ایش!'' عصرہ دنگ رہ گئی۔''میری تو اس سے کل سے بات ہی نہیں ہوئی۔''

اشعر نے گہری سانس لی۔

''مجھے شک پڑا تھا۔''

''ایش تم کیا کہہ رہے ہو۔تالیہ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس کے خلاف تفتیش شروع کروا رہے تھے؟''

''ظاہر ہے میں نے بتایا تھا مگر آپ کا نام نہیں لیا تھا...'' اس نے سمجھ کے سر جھٹکا۔''اس نے خود ہی بھانپ لیا کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔بہر حال ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور.....''

لیکن عصرہ کی سوئی ایک ہی بات پہ اٹک گئی تھی۔

''تم نے اسے.....تم نے اسے خود بتا دیا؟'' اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔''مگر کیوں' ایش۔''

اشعر نے کار سے ٹیک لگائی اور شانے اچکائے۔

''آ بنگ نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس سے سچ بولنا چاہیے۔''

''سچ' مائی فٹ۔'' وہ ایک دم غصے سے غرائی۔''تم نے فاتح کو تو نہیں بتایا نا؟''

''نہیں....اور میرا نہیں خیال وہ ان کو بتائے گی۔''

''تم کس دنیا میں رہتے ہو اشعر محمود؟ یا اللہ.... یا اللہ!'' لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ عصرہ دبا دبا چلائی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اشعر کا منہ نوچ لے۔

''وہ دونوں تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔وہ لڑکی یہاں کیریئر بنانے نہیں آئی۔وہ فاتح بن رامزل کو حاصل کرنے آئی ہے۔

وہ....وہ مکار gold-digger میرے شوہر کے پیچھے ہے' تمہارے نہیں۔"

اشعر ایک دم سیدھا ہوا۔اس پہ جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی تھی۔

"واٹ؟"

"تم ان کے ساتھ رہتے ہو اور تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوا؟ کہاں گیا میرا عیار اور شاطر بھائی؟ اور کہاں سے آ گیا یہ بے وقوف مرد جس کی آنکھوں پہ تالیہ مراد نامی پٹی بندھ گئی ہے؟" وہ پھنکار رہی تھی اور وہ سن سا کھڑا تھا۔

"فاتح آبنگ اور تالیہ...." اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اپنی آنکھوں سے یہ پٹی اتارو اور اپنے اردگرد دیکھو' ایش۔ وہ دونوں ہمارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔ جب اس نظر سے دیکھو گے تو سب سمجھ آ جائے گا۔" غصے سے بولتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو آواز دی تو اشعر دھیرے سے ایک طرف ہٹا۔

"اپنی کار ہٹاؤ۔ مجھے ایک سیمینار میں جانا ہے۔ سارا موڈ برباد کر دیا تم نے میرا۔" وہ برہمی سے کہتی اب اندر بیٹھ رہی تھی۔

"اے سی چلاؤ۔ فل۔"

ڈرائیور نے کار باہر نکالی تو پیچھے بیٹھی عصرہ نے نخوت سے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اشعر کی بے وقوفی نے تالیہ مراد کو عصرہ محمود کی راہ دکھا دی تھی۔ تالیہ جانتی تھی کہ اشعر یہ کہانی عصرہ سے کنفرم ضرور کرے گا۔

یہ اس کی عصرہ کے لئے دھمکی تھی۔ وہ آخر کیا ثابت کرنا چاہتی تھی؟

اے سی کے باوجود عصرہ کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ ذہن کا پردہ خوف اور طیش کے بادلوں میں دھندلا ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

آج کے ایل پہ بارش نہیں برسی تھی اور فضا شدید حبس آلود تھی۔ بھری دوپہر میں باہر پھرتے لوگ پسینے میں پگھلتے دکھائی دیتے تھے۔ البتہ عمارتوں کے اندر اے سی کے باعث ماحول بہتر تھا۔

ایسے میں داتن اور ایڈم ایک ٹھنڈے ریستوران میں بیٹھے تھے۔ داتن مینو کارڈ لئے آرڈر کر رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ ویٹرس اس کے ساتھ کھڑی تھی اور آرڈر نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ اس کی آستینیں چھوٹی تھیں اور گندمی بازو دکھائی دے رہے تھے۔

"اور کچھ لو گے؟" داتن نے فیاضی سے کارڈ رکھ کے اسے مخاطب کیا تو ویٹرس اس کی طرف گھومی۔ ایڈم مسکرا کے نفی میں سر ہلانے لگا' پھر چونکا اور لڑکی کے بازو کو دیکھا۔ اس پہ تین سرخ نشان تھے' جیسے کسی نے ہاتھ سے زور سے پکڑا ہو اور انگلیاں نشان چھوڑ گئی ہوں۔

"کسی نے مارا ہے تمہیں؟"

لڑکی چونکی۔ فوراً اپنے بازو کو دیکھا اور پھر اسے پیچھے کر لیا۔

"آپ کچھ مزید لیں گے سر؟" ذرا برہمی سے پوچھا تو ایڈم نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ خفت سے اسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

"ہر جگہ انویسٹی گیٹیو جرنلسٹ نہ بن جایا کرو' لڑکے۔" داتن نے ٹوکا تو وہ سیدھا ہوا اور مسکرا کے شانے اچکائے۔

"کچھ عادتیں زندگی کے ساتھ ہی جاتی ہیں۔"

"اسی عادت نے تمہیں تالیہ مراد سے متعارف کروایا تھا۔ تم نے بدلے ہوئے حلیے میں بھی پہچان لیا تھا کہ وہ تنکو کامل کی ملازمہ ہے۔ تم اپنا آئی کیو ٹیسٹ کیوں نہیں کرواتے؟"

"تا کہ چے تالیہ کو متاثر کر سکوں؟ جانے دیں' داتن۔" اس نے مسکرا کے پانی کا گلاس اٹھایا۔ جانتا تھا داتن اس وقت اس کو تالیہ کے ساتھ سیٹ کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی۔

"ڈین براؤن کے ناولز میں ذہین لوگوں کا آئی کیو 170 یا 190 سے بھی اوپر ہوتا ہے' مگر شکر ہے تالیہ نے ڈین براؤن کو نہیں پڑھا۔ اگر تمہارا 160 بھی ہوا تو وہ متاثر ہو جائے گی۔"

"آپ یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟" وہ سنجیدہ ہوا۔ "ابھی آپ مجھے سیلون لے جائیں گی' پھر جم..... یہ سب کر کے آپ کو کیا ملے گا؟"

لمحے بھر کو میز پہ خاموشی چھا گئی۔ پھر داتن نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"تالیہ کی زندگی میں صرف ایک آدمی تھا...... سمیع..... جو نہ اس کو جانتا تھا نہ اس سے محبت کرتا تھا۔ پھر وان فاتح آیا جو اسے جان کے بھول گیا مگر محبت نہ کر سکا۔ تم وہ پہلے انسان ہو جو اس کو جاننے کے باوجود اس کی محبت میں گرفتار ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تالیہ اس انسان کو ایک الوژن کے پیچھے کھو دے۔"

"او کے۔ ابھی سیلون کی اپائنٹمنٹ میں وقت ہے اس لئے آپ کو تھوڑا بریف کر دوں۔" وہ اپنا فون روشن کرنے لگا تو داتن نے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ "کس بارے میں؟"

"اوہو۔ اس آدمی کا فون چوری کر کے جو ڈیٹا ملا ہے... اس بارے میں۔"

"اوہ اچھا۔ وہ بورنگ کام۔" لیانہ صابری نے جمائی روکی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ اس کا ساتھ تالیہ کے لئے دے رہی تھی' نہ کہ کسی وکیل کے فون کے راز پانے کے لئے۔ مگر چونکہ وہ نوجوان پرجوش سا اس کو بتا رہا تھا' تو وہ سنجیدہ مشکل بنائے سننے لگی۔

"یہ اپنی فرم کا بہت قابل وکیل ہے اور اس کی ای میلز میں مجھے کچھ گروپ ای میلز ملی ہیں جو فرم کے دیگر وکلاء اور اس کے درمیان تھیں۔ میں نے تمام ای میلز کو شروع میں ہی ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا کیونکہ اب تک وہ اپنا پاسورڈ بدل چکا ہے۔"

''اچھا کتنی ای میلز ہیں وہ؟''

''گزشتہ تین سال کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ورک ای میلز۔ اف ان کی زبان اتنی مشکل ہے کہ سمجھ ہی نہیں آ رہا ان کے ساتھ کیا کروں۔ مگر ایک آئیڈیا ہے ذہن میں۔'' وہ جیسے آئیڈیا بتانے میں متامل تھا۔

''ایک آئیڈیا میرے ذہن میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھانا آچکا ہے' اس لئے ابھی بس اسے کھاتے ہیں۔'' داتن ویٹرس کو کھانا لاتے دیکھ کے سیدھی ہوگئی۔ بوریت اور نیند دور بھاگنے لگی۔

لڑکی ٹرے لئے ان کے پاس آئی اور باری باری دونوں پلیٹرز ان کے سامنے رکھنے لگی۔ ایڈم پھر سے اس کے بازو کو دیکھنے لگا' البتہ ویٹرس نے اس سے نظر نہیں ملائی۔ وہ چلی گئی تو اس نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ چپ بیٹھا رہا۔

''فکر نہ کرو' بل میں دوں گی۔'' داتن نے اس کا پلیٹر اس کے قریب کر کے یاد دلایا۔

''وہ اس کا شوہر ہوگا۔''

''کون؟''

''وہ جس نے اسے مارا ہے' وہ کوئی قریبی شخص ہوگا۔ یقیناً شوہر۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

لیانہ نے برا منہ بنا کے پہلے اسے دیکھا پھر اشتہا انگیز لذیذ کھانوں کو جو ان کے سامنے چنے تھے۔

''ایڈم' دنیا میں ہر تیسری بیوی اپنے شوہر سے پٹتی ہے۔ ہم ان کا غم کھانے کے بعد بھی منا سکتے ہیں۔''

''داتن کوئی شوہر اپنی بیوی کو کیوں مارتا ہے؟'' وہ سوچ میں گم بولا۔

''مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔'' وہ اسٹیک کو چھری کانٹے سے کاٹ رہی تھی۔

''اونہوں۔ ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ ایسے مرد اپنی بیوی کو اپنے ذہن میں بنے کسی خاکے پہ فٹ کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ اس خاکے پہ پوری نہیں اترتی تو وہ اس پہ یوں غصہ اتارتے ہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''وہ اسے بدلنا چاہتے ہیں' یہ سمجھے بغیر کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ وہ اپنے پارٹنر کے سانچوں پہ پورا نہیں اتر سکتا۔ یہ عورت اپنی پوری کوشش کر کے وہ بننا چاہ رہی ہوگی جو اس کا شوہر اسے دیکھنا چاہتا ہوگا.... لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ تھک جائے گی۔ اس بے وقوف بیوی اور اس کے بے وقوف شوہر دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ اچھی زندگی گزارنے کے لئے اپنے ساتھی کو بدلنا ضروری نہیں ہوتا۔''

''ایڈم؟'' وہ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔ جو ایک دم کسی خواب سے جاگا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں داتن۔ مجھے کسی سیلون' کسی ڈیزائنر کے پاس نہیں جانا۔ مجھے چے تالیہ کے لئے خود کو نہیں بدلنا۔ جس ایڈم نے ان سے محبت کی تھی وہ یہ ایڈم ہے۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ ''بدلا ہوا ایڈم معلوم نہیں ان سے محبت کرتا ہوگا یا نہیں؟ اونہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''ہر انسان یونیک اور الگ ہوتا ہے۔ خود کو نکھارنا اور گروم کرنا اچھی بات ہے لیکن کسی دوسرے انسان کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ مجھے وان فاتح کا lesser version نہیں بننا۔ میں جیسا ہوں ویسا ہی رہوں گا۔ مجھے......'' اپنے سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے ان ای میلز پہ کام کرنا ہے۔ ان کھانا شروع کرتے ہیں۔'' ان سے ساری بات ہی ختم کر دی تھی۔

داتن دکھی دل سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

☆......☆......☆

سوموار کی صبح وہ آفس میں تھی اور جب سے آئی تھی' اسٹافرز کے ساتھ بیٹھی قطار میں لگے کمپیوٹرز پہ کیمپئین کے اعداد و شمار کا تجزیہ کر رہی تھی۔ اردگرد پرجوش اسٹافرز کا جمگھٹا لگا تھا اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دیتی تھیں۔ سب نے نیلی ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں جن پہ فاتح کا نام درج تھا اور کچھ نے تو سفید اور نیلی پی کیپس بھی اوڑھ رکھی تھیں۔ تالیہ البتہ اپنا سادہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی اور سب میں مختلف نظر آ رہی تھی۔

تبھی اشعر کا پیغام فون پہ جگمگایا۔ ایک ریستوران کا نام اور وہاں پہنچنے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی درج تھا کہ ادھر فاتح اور وہ اس کے منتظر ہیں۔

تالیہ نے سر اٹھا کے گھڑی دیکھی تو لنچ بریک قریب تھی۔ صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھے کمر درد کرنے لگ گئی تھی۔ جانے یہ غیر اعلانیہ لنچ اتنا ضروری کیوں ہو گیا تھا کہ الیکشن سے چار دن پہلے وہ لوگ اس میں وقت ضائع کر رہے تھے؟ کوفت سے سوچتی وہ نیچے آئی اور کیب بلا لی۔

''مجھے ہر چیز یاد آ گئی ہے' ذوالکفلی۔ آپ بھی۔'' کیب کی پچھلی نشست پہ بیٹھے اس نے ذوالکفلی کو فون ملا کے کان سے لگایا تو دیکھا' ڈرائیور نے چونک کے بیک ویو مرر میں اس کو دیکھا تھا۔ وہ سنبھلی اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے قدیم ملے میں کہنے لگی۔

''پچھلے دو دن سے مجھے سب یاد آ گیا ہے۔ میرا بچپن۔ ہم کیسے محل سے نکالے گئے تھے۔ اور پھر مراد راجہ کیسے راتوں کو چھپ کے پمبورو کے لوگوں سے ملتا تھا وغیرہ وغیرہ۔'' بےزاری سے کہہ رہی تھی۔

''جانتا ہوں۔ تمہاری بوتل خالی ہو چکی ہے' پتری تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر افسوس سے بولا۔

''میرے ماضی میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے حیران کرے۔ تمہارا کردار بھی مجھے الجھا نہیں سکا۔ سب کچھ میں جانتی ہی تھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''یادیں عجیب چیز ہیں' پتری تالیہ۔ لوگ ان کو یاد کرنے سے نہیں ڈرتے۔ ان کے 'وار' سے خوف کھاتے ہیں۔ ماضی یا یاد آ جانا الگ چیز ہے' مگر کسی خاص موقع پہ اس یاد کا دل پہ حملہ آور ہو جانا بالکل الگ۔''

''واٹ ایور۔'' اس نے سر جھٹک کے فون رکھ دیا۔ کیب منزل تک پہنچ چکی تھی۔

وہ ایک خوبصورت اور پرتعیش ریستوران تھا جس کے بڑے سے ہال کی چھت اور اونچی تھی اور اس سے لٹکتے فانوسوں کے کرسٹلز دوپہر میں بھی چمک رہے تھے۔ دور دور تک پھیلی میزوں پہ امراء اور بااثر کاروباری حضرات لنچ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک میز پہ فاتح اور اشعر کے ساتھ عصرہ محمود بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ (تو وہ ایک فیملی لنچ تھا؟ پھر اسے کیوں بلایا تھا؟ یقیناً یہ بھی مسز عصرہ کا آئیڈیا ہوگا۔)

وہ قریب آئی تو اشعر فوراً اپنی جگہ سے اٹھا ہی' مگر عصرہ نے دیکھا کہ وان فاتح بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ اتنا بے نیاز انسان تھا کہ کم ہی کسی کے لیے اٹھتا تھا۔ تاہم عصرہ مسکراتی رہی۔ تالیہ کے سلام کا جواب بھی اچھے سے دیا۔ میز گول تھی اور چاروں طرف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ عصرہ اور اشر آمنے سامنے تھے اور تالیہ وان فاتح کی سیدھ میں بیٹھی تھی۔

چوکور مکمل تھا۔

''اس لنچ کی کوئی خاص وجہ ہے' سر؟'' اس نے نیپکین پھیلاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تم سب لوگ کیمپین میں اتنے مصروف ہو کہ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھاتے۔'' فاتح سے پہلے عصرہ ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے خوشدلی سے گویا ہوئی۔ ''میں نے زبردستی آج ان دونوں کو وقت نکالنے پہ مجبور کیا ہے۔ ان شاء اللہ اگلا ڈنر ہم فاتح کے جیتنے کی خوشی میں ساتھ کریں گے۔''

تالیہ نے اس کے سجے سنورے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''آپ کی پلاننگ کی داد دینی چاہیے مسز عصرہ۔ آپ تو وہ کر گزرتی ہیں جو ہمارے گمان میں ہی نہیں ہوتا۔''

عصرہ محمود کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر پہ اسٹول اوڑھے' میک اپ اور نازک جیولری سے خود کو مزین کیے' وہ تھوڑی کو ہتھیلی کے پیالے پہ ٹکائے تالیہ کو دیکھتی رہی۔ اشعر البتہ کھنکھارا تو تالیہ نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''الیکشن ابھی ہم نہیں جیتے لیکن سیلیبریٹ کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک چیز ابھی بھی ہے۔'' وہ یوں دوستانہ لہجے میں بولا جیسے دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''اچھا۔ وہ کیا؟'' فاتح نے اس سے پوچھا۔ وہ آج گرے سوٹ میں ملبوس تھا، ایک گھنٹے بعد اسے کسی انٹرویو میں جانا تھا۔ البتہ باقی دونوں کی نسبت وہ ہشاش بشاش اور آرام دہ نظر آ رہا تھا۔

''جے تالیہ نے ادیب کا اسکینڈل جس طرح ہینڈل کیا اور ایمان کو جھوٹا ثابت کیا' وہ قابلِ تحسین ہے۔''

''حالانکہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔'' عصرہ کی مسکراتی گہری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''ہم سب جانتے ہیں کہ ادیب کتنا بڑا pervert اور بدکردار آدمی ہے۔''

''کا کا۔'' اشعر نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ ''ادیب کو پروٹیکٹ کرنا پارٹی کے لئے ضروری تھا۔''

''یہاں میڈیا کے کیمرے نہیں لگے' ایش۔ ہم ایمانداری سے ایک معاملے کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ اور میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ ایمان کو غلط ثابت کر کے ہم نے ادیب جیسے مجرم کا ساتھ دیا ہے۔ ہے نا تالیہ؟''

ویٹر کھانے کی ٹرے لے آئے اور باری باری سرو کرنے لگے۔ ایسے میں تالیہ نے بڑے تحمل سے عصرہ کو دیکھا۔ ''ادیب بن سوت کو ہم نے پارٹی سے نکال دیا ہے' مسز عصرہ۔''

''مگر عزت کے ساتھ۔ حالانکہ تم سب کو اس کے جرائم کا علم تھا مگر تم سب نے اس کا پردہ رکھا۔'' مسکرا کے پلکیں جھپکا کے بولی تو تالیہ نے کچھ سخت کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ...........

''تم جانتی ہو یہ witchhunt کی اصطلاح زبانِ زدِ عام کیسے ہوئی تھی؟'' وان فاتح نے بھاپ اڑاتا پلیٹر اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے کہا تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وچ ہنٹ؟''

'''ہاں۔ جب انقلابی سوچ رکھنے والے لوگوں کو ناجائز الزام لگا کے ٹارگٹ کیا جا رہا ہو تو کہتے ہیں نا' کہ یہ وچ ہنٹ ہے۔'' اس نے نیپکین کھولا' اور اپنے گھٹنوں پہ پھیلایا۔ پھر پلیٹر سے اسٹیک کا ٹکڑا اٹھانے لگا۔'

'یہ قدیم امریکہ کے Salem witch hunt کے قصوں سے ماخوذ اصطلاح ہے۔ جانتی ہو Salem میں کیا ہوا تھا؟''

عصرہ کو اس کی مداخلت اچھی نہیں لگی تھی' مگر ضبط سے سننے لگی۔ تالیہ بھی فاتح کو دیکھ رہی تھی اور اشعر.......وہ خاموشی سے باری باری آمنے سامنے بیٹھے باس اور چیف آف اسٹاف کے چہروں کو پڑھ رہا تھا۔

''Salem میں چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے ایک نیا کام شروع کیا تھا۔ وہ کسی مرد کو پھنسا نہ سکتیں تو اس کی طرف اشارہ کر کے کہتیں کہ یہ آدمی witch (جادوگر) ہے۔ جادو کرنا ان دنوں گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جب پادریوں نے اس معاملے کو دیکھا تو کہا کہ خدا ان بچیوں کے ذریعے جادوگروں کی نشاندہی کر رہا ہے۔ وہ بچیاں' پادریوں کے ساتھ گھر گھر جاتیں اور جس کی طرف چاہے انگلی اٹھا دیتیں۔ وہ آدمی چیختا چلاتا کہ میں جادو نہیں جانتا مگر ان کا اعتبار نہ کیا جاتا.........'' وہ عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے بتانے لگا۔ ''ایسے معاملے کو witchhunt کہتے ہیں۔ جب آپ انتقاماً لوگوں پہ ایسا الزام لگاتے جاؤ جو ان کی ساکھ خراب کر دے۔ ہراس منٹ کے خلاف کھڑے ہونا اچھی بات ہے' لیکن مرد اور عورتیں دونوں جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ الزام ناجائز بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور مردوں کو Salem کی لڑکیوں کی طرح یہ حق نہیں دے سکتے کہ وہ کسی کی طرف بھی انگلی اٹھا کے اسے معتوب کر دیں۔ عزتوں کے مقدمے چوک پہ سرِ بازار نہیں لڑے جاتے۔ اگر وہ لڑکی ہراس ہو رہی تھی تو اسے پہلے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ میڈیا پہ انصاف نہیں ملا کرتا۔ صرف وچ

ہنٹ ہوتا ہے۔"

آخر میں اس کی ٹون قدرے سخت ہوگئی تھی اور عصرہ کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو چکی تھی۔اس نے بس سر جھٹکا' ایک قہر آلود نظر تالیہ پہ ڈالی اور اپنا کھانا پلیٹ میں نکالنے لگی۔اشعر بھی بغور فاتح کو دیکھ رہا تھا جو تالیہ کا دفاع کر کے اب کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

ماحول میں ایک دم تناؤ آ گیا تھا۔چاروں خاموش تھے۔

دفعتاً تالیہ کھنکھاری۔

"سر میں ابھی کیمپیئن کے اعداد و شمار کا جائزہ لے کر آ رہی ہوں۔"

"اچھا۔اور؟" فاتح نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"حاکمی صاحب ہر روز کوئی نہ کوئی اسٹنٹ کر کے ویڈیو پبلک کر دیتے ہیں۔اور ان کو کافی اٹینشن مل رہی ہے۔ہم البتہ صرف آپ کی تقریروں اور ووٹرز سے رابطوں میں لگے ہیں۔"

"تو یہی کیا جاتا ہے نا انتخابی مہم میں۔لوگوں سے ووٹ مانگے جاتے ہیں۔تقریریں کی جاتی ہیں۔"

عصرہ تیز آواز کے ساتھ چھری کانٹے سے اسٹیک کاٹ رہی تھی۔ماتھے پہ بل تھے اور چہرہ جھکا تھا۔اشعر دونوں کو باری باری دیکھتا خاموشی سے کھا رہا تھا۔

"مگر سر.....ہمیں کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔کچھ بڑا۔کچھ حیران کن جو اکثریت کا فیصلہ ہمارے حق میں بدل دے۔میں شام تک کچھ آئیڈیاز آپ کو دکھاؤں گی جو......"

عصرہ نے زور سے کانٹا پلیٹ میں گرایا۔سب اسے دیکھنے لگے۔

وہ مسکرائی اور معذرت خواہانہ انداز میں کندھے اچکائے۔

"سوری......مجھے سیاست بور کرنے لگتی ہے۔ہم کوئی اور بات بھی تو کر سکتے ہیں۔جیسے ......" انگلی سے گال پہ آئی لٹ کو معصومیت سے پیچھے کیا۔"جیسے میرے بچے........جولیانہ بالخصوص جو تالیہ کو بہت پسند کرتی ہے۔اس نے ایک دفعہ (فاتح کو دیکھ کے بتانے لگی) کوئی میجک ٹرک دکھائی تھی جولیانہ کو۔وہ تب سے اس کی فین ہے۔اس دن بولی کہ........" وہ بڑی اپنائیت سے بیویوں والے انداز میں شوہر کو بتا رہی تھی۔وہ مسکرا کے سننے لگا۔

تالیہ کی نظریں اس کی کلائی پہ جھکیں۔وہاں سنہری بریسلیٹ ابھی بھی موجود تھا۔یہ اس اصلی بریسلیٹ کی نقل تھی۔تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

"آریانہ بھی مجھے بہت پسند کرتی تھی۔" وہ مزے سے بولی تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''سر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میرا ایک ڈرامہ دیکھنے آئی تھی۔ اس میں' میں نے تاشہ نامی ایک پری کا کردار کیا تھا اور آریانہ کو وہ بہت پسند آیا تھا۔'' عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے بتایا۔ ''اسی لئے سر مجھے تاشہ کہتے ہیں کیونکہ آریانہ کو میرا یہی نام معلوم تھا۔''

''ہاں۔ اسے بہت پسند تھا وہ ڈرامہ... تاشہ آ گا پووا۔'' فاتح بھی مسکرا کے یاد کرنے لگا۔

''مگر تم دوبارہ اس شو میں نہیں گئیں۔ کیا اداکاری چھوڑ دی؟'' وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگا تو عصرہ سراہنے والے انداز میں بولی۔

''اداکاری اتنی آسانی سے تھوڑی چھوٹتی ہے؟''

''درست کہہ رہی ہیں مسز عصرہ۔ ایک رول اس کے بعد بھی کیا تھا میں نے جو یادگار تھا۔'' وہ مسکرا کے بتانے لگی۔

''اچھا۔ کون سا رول؟''

تالیہ نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے چبانے کے بعد مزے سے بولی۔

''ایک شہزادی کا کردار جو ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کی بیٹی تھی۔ بنداہارا اس کی شادی زبردستی ایک بگڑے امیر زادے سے کروانا چاہتا تھا مگر چونکہ شہزادی کو اپنے باپ سے نفرت تھی تو وہ ایک غلام سے.........''

اور وقت پل بھر کو ٹھہر گیا۔

سارے حساب کتاب الٹے ہو گئے۔

سارے لمحے گھڑی کی سوئیاں تھام کے رک گئے۔

تالیہ مراد کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ اس کا سانس رکا۔

مچھلی کا ٹکڑا حلق میں پھنسا۔

وہ ہلکا سا کھانسی۔ پھر بند مٹھی دل پہ رکھی۔

''کیا ہوا؟''

''تم ٹھیک ہو' تاشہ؟''

آوازیں.... فکرمند چہرے.... اسے وہ سب دھندلے سے نظر آئے۔ اور پھر اپنی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔

''جی.... میں... ایک منٹ.... ایکسکیوز می.....'' اس نے خود کو کرسی سے اٹھتے دیکھا۔

''ریسٹ روم کہاں ہے؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھے ویٹر سے پوچھ رہی تھی۔

اشعر بھی کھڑا ہو گیا تھا اور وہ لوگ اسے فکرمندی سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے پکارا مگر وہ سنے بغیر تیز تیز ریسٹ روم کی طرف قدم اٹھانے لگی.... بند مٹھی سینے پہ جمی تھی.... درد اتنا شدید تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ریسٹ روم میں آتے ہی وہ دیوار گیر آئینے کے سامنے سنک پہ جھکی اور قے کرنی چاہی مگر حلق میں کچھ اٹکا ہی نہیں تھا جو باہر نکلتا۔ مسئلہ تو دل میں تھا۔

اس نے نڈھال سا چہرہ اٹھا کے آئینے کو دیکھا۔ ذوالکفلی نے درست کہا تھا۔ یادوں کا حملہ اور ان کا گھاؤ سہنا آسان نہیں تھا۔

(یادداشتیں عجیب چیز ہیں۔)

(لوگ ان کے وار سے گھائل ہونے سے ڈرتے ہیں۔)

وہ یادیں جو ذہن میں دو دن پہلے لوٹ آئی تھیں' انہوں نے ایک دم سے وار کیا تھا.......

مراد سخت بچھونے پہ چت لیٹا تھا۔ نیم اندھیر کمرے میں فقط ایک مشعل جلی تھی اور وہ کپڑے سے اس کے کندھے سے بہتا خون صاف کر رہی تھی۔ مراد آنکھیں موندے درد سے کراہ رہا تھا اور تالیہ کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ گر رہے تھے۔

''بابا.....آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مراد نے نقاہت سے آنکھیں کھولیں۔ ''تم یہاں کیوں ہو ابھی تک' تالیہ؟ جاؤ بچے...اپنے خالو وغیرہ کے ہمراہ۔ ان کا قافلہ روانہ ہونے والا ہوگا۔'' وہ درد سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

''میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی' بابا۔''

''میں زخمی ہوں۔ سلطان کے سپاہی پہنچنے والے ہوں گے۔ تم میری بات مانو اور اپنے خالو کے ہمراہ الور سونگائی کوچ کر جاؤ۔ اس گاؤں کے لوگ اچھے ہیں۔ وہ تمہیں پناہ دے دیں گے۔''

''نہیں بابا۔'' اس نے ننھے ننھے ہاتھوں سے گال رگڑے۔ ''تالیہ اپنے بابا کے بغیر نہیں جائے گی۔ قاسم آبنگ کے پاس گھوڑا ہے۔ ہم آپ کو اس پہ ڈال کے لے جائیں گے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کا بہتا خون صاف کر رہی تھی.....وہ زخمی چہرے اور گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا......

منظر تبدیل ہوتا ہے....ایک دوسری یاد حملہ کرتی ہے....

وہ ننھے میلے ہاتھوں سے ایک لکڑی کی جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ دفعتاً پٹ کھلا اور ایک لمبے بالوں والے آدمی نے باہر جھانکا۔ اس کی داڑھی کی چونچ تکون صورت سینے تک آتی تھی۔

''کون ہو تم؟ کیا چاہیے؟'' حیرت سے اسے دیکھ کے پوچھا۔

''الور سونگائی میں سب کہتے ہیں کہ تمہارے پاس ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔ ہم میرے بابا کو زخمی حالت میں یہاں لائے ہیں۔ ان کا زخم ٹھیک کر دو۔'' اس نے ننھے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ آدمی باہر نکل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''میں اس کا علاج کر دوں گا اور وہ تندرست بھی ہو جائے گا لیکن پھر اس کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ابھی ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں مگر ہم سلطان کے خاندان سے ہیں اور.....''

''مجھے پیسے نہیں چاہیے ہیں' لڑکی۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا۔ ''مجھے صرف اپنے گروہ ''پمبورو'' میں ایک اور مزید اضافہ چاہیے۔''

''بابا بہت بہادر اور جری ہے۔ وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ تم بس اس کو تندرست کر دو' اے طبیب۔''

جادوگر نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میرا نام طبیب نہیں ہے۔ میرا نام ذوالکفلی ہے۔''

پھر وہ سیدھا ہوا اور گہری سانس لی۔ ''مجھے اپنے گھر لے چلو۔''

یادیں غائب ہونے لگیں۔ ست رنگے بلبلے پھٹنے لگے۔

سنک کے آئینے میں خود کو دیکھتی تالیہ کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا۔

وہ پہلے ہی جان گئی تھی کہ ذوالکفلی خود بھی وقت کا ایک مسافر تھا اور اس نے تالیہ مراد کے باپ کو شکار بازوں میں شامل کیا تھا۔ یہ ساری یادیں اس کو دو روز پہلے یاد آ گئی تھیں اور اسے ذوالکفلی کے حسب نسب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر وہ درست کہتا تھا۔ یادوں کا حملہ غیر متوقع اور اچانک ہوتا ہے۔

اور اس پہلے حملے نے اسے فق کر دیا تھا۔ وہ ایک دم نڈھال سی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے دل کو برسوں بعد یاد آیا تھا کہ تالیہ بنت مراد اپنے باپ سے بے حد پیار کرتی تھی۔

سارے مناظر فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

وہ اس کا مضبوط ہاتھ تھامے محل سے دور بھاگ رہی تھی.....سپاہی ان کے پیچھے تھے.........اسے بچاتے ہوئے مراد کو تیر لگا تھا۔ انہوں نے کسی کے گھر پناہ لی تھی.....مراد چاہتا تھا وہ اسے مرنے دے مگر وہ اپنے باپ کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی تھی......وہ اپنے ننھیال والوں کے ہمراہ اس کے خون میں لت پت وجود کو لئے الورسونگائی آئی تھی.........وہاں ذوالکفلی نامی طبیب نے مراد کا علاج کیا تھا اور بعد میں علاج کی بھاری قیمت وصول کی تھی۔

وہ راتوں کو چھپ چھپ کے ذوالکفلی اور اس کے ساتھیوں سے ملتا تھا۔ وہ جادو سیکھنے لگا تھا اور کسی خزانے کی چابی بنا رہا تھا۔ وہ موجودہ سلطان سے تنگ تھا۔ پھر اس نے مرسل شاہ کی مدد کی۔ وہ اسے خطوط لکھتا تھا۔ اس کے سپاہیوں سے بھی ملتا تھا۔ اس نے مرسل شاہ کو بغاوت پہ مجبور کیا اور جب مرسل اپنے جرنیلوں کی مدد سے تخت پہ قابض ہو گیا تو مراد کو واپسی کا اذن مل گیا۔ لیکن شاہِ چین کی حال ہی میں آئی دختر نے پورے الورسونگائی کو جادوگروں کا گاؤں مشہور کروا دیا۔ چینی شہزادی نے اپنے سپاہی بھیج کے شکار بازوں کا قتلِ عام اور گرفتاری

شروع کردی۔ ایسے میں مراد نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ دینے کی بجائے ہونے والی ملکہ اور سلطان کا ساتھ دیا۔

وہ اسی بات پہ اس سے ناراض ہوئی تھی کہ وہ اپنے گاؤں والوں کو بھلا کے' اپنے ساتھیوں کو بھلا کے' خزانے کو بھلا کے' جو اس نے لوگوں کی فلاح کے لئے حاصل کرنا تھا' محل میں عیش کرنے جا رہا ہے۔

مگر مراد راجہ جادوگری کی اس دنیا سے دور 'طاقت' کی دنیا میں جانا چاہتا تھا۔ اپنی دنیا میں واپس۔ اور طاقت کی دنیا میں لوگ دھیرے دھیرے سنگدل اور سفاک ہوتے جاتے ہیں۔

مراد بھی ہو گیا تھا۔

لیکن چاہے وہ زخمی بے بس مراد ہو.....' یا طاقتور اور سفاک بندا ہارا مراد راجہ ہو......اس کا چہرہ تالیہ کے سامنے تھا اور اس کا چہرہ تالیہ کے دل میں تھا۔

وہ باہر نکلی تو ہال کی مختلف میزوں پہ لوگ ہنوز بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ ایک میز پہ ایک چھوٹی بچی بیٹھی تھی جس کا باپ اس کی طرف جھک کے اسے کچھ کھلا رہا تھا۔ وہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ قدم کس طرف اٹھ رہے تھے' اور نگاہیں کس طرف تھیں.....

وہ واپس ان کے سامنے آئی تو سب نے دیکھا' تالیہ کا چہرہ دھلا دھلا یا تھا اور رنگت زرد تھی۔

''یاو کے؟'' فاتح نے چھری کانٹے چلاتے ہاتھ روک کے پوچھا۔ وہ تینوں اپنا کھانا ختم کرنے کے قریب تھے۔ تالیہ کا پلیٹر اَن چھوا رکھا تھا۔

''جی۔ میں آپ کا باہر انتظار کر رہی ہوں۔ ہمیں انٹرویو کے لئے جانا تھا۔'' اپنا بیگ اٹھا کے کھڑی ہوئی تو اشعر نے اس کے کھانے کو دیکھا۔

''کھانا تو کھالیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں باہر ہوں' سر۔'' دونوں کو بیک وقت مخاطب کر کے وہ بولی اور نگاہیں ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔ عصرہ نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔

''اسے کیا ہوا؟'' اشعر نے بے چینی سے ان دونوں کو دیکھا۔ فاتح نے کندھے اچکا دیے اور دوبارہ سے کھانے لگا۔ البتہ عصرہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''کچھ لڑکیوں کو توجہ لینے کے لئے Damsel in distress بننے کی عادت ہوتی ہیں۔ وہ خود کو بیمار اور اپ سیٹ ظاہر کر کے دوسروں کو پریشان کرتی ہیں۔ یہ خود ترسی کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور......''

وہ کہہ رہی تھی جب فاتح نیپکین سے ہاتھ پونچھتے اٹھا اور کرسی دھکیلتا آگے بڑھ گیا۔

عصرہ کے اندر ابال سا اٹھا۔ دانت پیس کے اشعر سے بولی۔ ''اٹھو۔ ان کے پیچھے جاؤ۔''

''میں نے تو انٹرویو پہ نہیں جانا۔ آپ کو اپنے شوہر کی اتنی فکر ہے تو ان کی رکھوالی کے لئے خود چلی جائیں۔'' وہ اکتاہٹ سے کہہ کے واپس کھانے لگا۔

''کیا تمہیں وہ سب نظر نہیں آ رہا جو مجھے دکھائی دے رہا ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ بے زار لگ رہا تھا۔ عصرہ کی باتوں نے اسے شدید بد دل کر دیا تھا۔

وہ کار کے ساتھ گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ کپل اور ان کی بچی باہر آتی دکھائی دے رہی تھی اور تالیہ بس ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ بڑے مضبوط ہاتھ میں ننھا سا ہاتھ۔

وہ اس وقت کہاں تھی' کیوں تھی' اسے بار بار وہ سب بھولنے لگا تھا۔

ان کی آخری ملاقات کیسی عجیب سی تھی! وہ فاتح کے ساتھ سن باؤ کے گھر تک آیا تھا۔ وہ اس کو خدا حافظ کہنا چاہتا تھا۔ اور تب بھی وہ پرامید تھا کہ وہ رک جائے گی یا واپس آ جائے گی مگر وہ اس سے رکھائی سے ملی تھی کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتی تھی۔ لوگوں کے لئے' عوام کے لئے' قانون کی سربلندی کے لئے' اس کے جرائم کے لئے.... ان ساری وجوہات کی بنا پہ راجہ مراد ایک برا آدمی تھا۔

مگر وہ اس کا باپ تھا۔ یہ رشتہ سارے گناہ ڈھونڈ لانے کے لئے کافی تھا۔ وقت نے تالیہ کو اس کی پہلی محبت بھلوا دی تھی۔ آج وہ یاد آ گئی تھی۔ مراد ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ وہ تو ایک خیال رکھنے والا باپ تھا۔ انہوں نے ایک طویل مسافت ایک ساتھ کاٹی تھی۔ وہ سب اسے کیسے بھول گیا تھا؟

''اندر بیٹھو۔'' فاتح نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ وہ جانے کب باہر آیا تھا اور اب اس کو پچھلی سیٹ پہ بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ آگے بیٹھنے کی عادی تھی لیکن آج احتجاج نہیں کیا۔

''تمہیں کیا ہوا تھا؟'' وہ دوسری طرف سے آ کے بیٹھا اور اس کی طرف رخ پھیرے سنجیدگی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔'' اور گردن شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ ''مجھے آریانہ کے ذکر پہ اپنے بابا یاد آئے۔''

''اوہ۔'' اس نے گہری سانس خارج کی۔ ڈرائیور باہر تھا اور وہ دونوں کار میں تنہا تھے۔

''I did love my father.'' وہ جیسے خود کو بتا رہی تھی۔

''ظاہر ہے۔ وہ تمہارے بابا تھے۔''

''میں سمجھتی تھی محبت ختم ہو جاتی ہے یا نفرت میں بدل جاتی ہے۔ مگر میں غلط تھی۔ ہم محبت کو بھلا تو سکتے ہیں لیکن کسی کو

unlove نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے کیا؟ تم نے مجھے کلیئر نہیں بتایا تھا۔" فاتح ابرو اچکا کے یاد کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ...."

مگر پھر.....وہ لمحے بھر کو گم صم ہوئی۔

"نہیں۔ وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔ کہیں کسی دور دنیا میں....وہ موجود ہیں۔ میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تو تم ان کے پاس چلی جاؤ۔ سمپل۔"

کتنا آسان حل بتایا تھا اس نے۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ پھر سادگی سے مسکرا دی۔

"مجھے ان کے پاس نہیں جانا۔ مجھے بس....ان کا خیال آ رہا تھا۔"

"تو ان سے بات کر لو۔"

اس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔ "کر لوں گی۔ اب ہمیں انٹرویو کے لئے نکلنا چاہیے۔"

"شیور۔ مگر اب تمہیں حاضر دماغ رہنا ہے۔" تنبیہہ کر کے اس نے شیشہ بجایا تو دور کھڑا ڈرائیور فوراً کار کی طرف لپکا۔

"ایم فائن، سر۔" اس نے سر جھٹکا مگر دل کی تکلیف یوں کم نہیں ہوتی تھی۔

دور اندر کوئی ایک حصہ تھا جو ایک دم اس آدمی کی یاد میں کرلانے، تڑپنے لگا تھا جس کا مضبوط ہاتھ پکڑ کے وہ جنگلوں اور دریاؤں کو پار کرتی آئی تھی۔

یادِ ماضی عذاب تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا میٹنگ روم تھا۔ وسط میں گول میز رکھی تھی اور اس کے گرد چار کرسیوں کا پھول بنا تھا۔ ایک مدھم بتی جلی تھی اور کھڑکیوں کے بلائنڈز مکمل بند تھے۔ تین کرسیوں پہ تین نوجوان براجمان تھے اور ان کے سامنے چوتھی کرسی پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ اس نے ٹی شرٹ پہ چیک والی شرٹ پہن کے سامنے کے بٹن بند کر رکھے تھے اور سیدھ میں بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

"جس "دوست" نے ہماری ملاقات ارینج کروائی ہے، اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم کچھ معلومات شیئر کرنا چاہتے ہو۔" مرکزی کرسی پہ بیٹھا آدمی ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا۔ اس نے تنگ سا نیلا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے آستین کہنیوں تک موڑ کے سی دیے گئے تھے۔ ٹی شرٹ کے گریبان پہ ڈیزائنر گلاسز اٹکی تھیں۔ باقی دونوں کے لباس اور قیمتی گھڑیاں ان کی مالی حیثیت کا پتہ دیتی تھیں۔

''جی۔''ایڈم نے تھوک نگلتے ہوئے سر ہلایا۔ان تینوں کی شخصیات کا رعب تھا یا اس پر تعیش ہوٹل کا پرفسوں' خوابناک سا ماحول... وہ بار بار اعتماد کھو رہا تھا۔اوپر سے روشنی اتنی مدھم تھی کہ ماحول کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں سائمن فوسٹر ہوں۔ ملائیشیاء میں ایک بین الاقوامی جریدے کی طرف سے بھیجا گیا ایک جرنلسٹ اور کوارڈینیٹر۔'' نیلے کوٹ والے نے نرمی اور شائستگی سے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔آپ کی نیوز رپورٹس اور آرٹیکلز پڑھے ہیں میں نے۔''ایڈم کو اس کی نرمی نے حوصلہ دیا۔

''گڈ۔اور یہ دونوں ملے جرنلسٹ ہیں۔ہم تینوں صحافیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا حصہ ہیں جو عالمی سطح پہ کام کرتی ہے۔''

''جی۔آپ...''اس نے قدرے اعتماد سے کہنا چاہا۔''آپ او آئی جے کا حصہ ہیں۔آرڈر آف انٹرنیشنل جرنلسٹس۔''

''گڈ۔اب تم بتاؤ تمہارے پاس ہمارے ''آرڈر''(تنظیم) لئے کیا ہے۔''سائمن مسکرا کے ہاتھ باہم پھنسائے ہوئے آگے کو ہوا۔باقی دونوں بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ان کو ملوانے والی داتن تھی۔ایڈم کسی بہت با اثر صحافی سے ملنا چاہتا تھا اور داتن نے اس کی خواہش پوری کی تھی۔

''یہ دیکھیے۔''ایڈم نے جلدی سے سامنے رکھی فائل کھولی اور چند کاغذات نکالے۔''میری دوست نے شاید بتایا ہو کہ مجھے کلائیڈ اینڈ لی کی.....''

''ہم تم سے سننا چاہتے ہیں ایڈم۔شروع سے بتاؤ۔''

ایڈم جھینپ گیا مگر پھر کاغذات دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ایک چھوٹے اخبار میں کام کرنے والا صحافی ہوں۔ بلکہ ایک tabloid میں۔''(شرمندگی سے بولا۔)''میرے ہاتھ کلائیڈ اینڈ لی کی کچھ ای میلز لگی ہیں اور...''

''کیسے لگی ہیں؟''

ایڈم چپ ہو گیا۔''ویل...میں نے غیر قانونی طریقے سے.....''

''جرنلزم کا پہلا اصول یہ ہے ایڈم' کہ جب تم سے کوئی چوری کی ای میلز کا سورس پوچھے تو تم کہو گے کہ اس ادارے میں کسی وسل بلور (مخبر) نے اپنا نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ معلومات لیک کی ہیں۔بس!''

سائمن سمجھاتے ہوئے بولا تو ایڈم نے سر ہلایا۔

''جی۔جی۔رائٹ۔''پھر کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

''ای میلز بہت ساری ہیں۔میں نے ابھی تک بہت کم ای میلز پہ کام کیا ہے۔ان ای میلز میں کلائیڈ اینڈ لی کے بہت سے کلائنٹس

کے نام ہیں۔"

"ان ناموں کا ہم کیا کر سکتے ہیں؟" دوسرے صحافی نے کندھے اچکاتے ہوئے مداخلت کی۔ سائمن کی نسبت وہ دونوں تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ان گروپ ای میلز میں سینکڑوں نام ہیں' سر۔ بین الاقوامی لیڈرز' سیاستدانوں' عرب شہزادوں اور کاروباری افراد کے۔ میں ابھی تک صرف تیس نام کریک کر سکا ہوں۔ ان میں سے دس نام اور ان سے متعلقہ ای میلز ان کاغذات میں ہیں۔"

سائمن اب باری باری ان کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ ہر صفحہ پڑھنے کے بعد وہ دوسرے صحافی کی طرف بڑھا دیتا۔

"یہ بہت زبردست کام ہے' ایڈم۔" آخری صفحہ پڑھتے ہوئے وہ ستائش سے بولا تو ایڈم کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس کا کھویا اعتماد واپس آنے لگا۔

"مگر سائمن' یہ مشہور لوگوں کی آف شور کمپنیز ہیں اور ہانگ کانگ میں یہ ایک قانونی چیز ہے۔ اگر ہم دنیا کو ان کے نام بتا بھی دیتے ہیں تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے ہانگ کانگ کا کوئی قانون نہیں توڑا۔"

"سوری سر' لیکن آپ ان ناموں کو پڑھ رہے ہیں کیا؟" ایڈم نے سنجیدگی سے بات کاٹی۔ "دس میں سے پانچ لوگ اپنے اپنے ملکوں کے سربراہ ہیں۔ چار عرب شہزادے ہیں اور دسواں نام ہماری وزیر اعظم صوفیہ رحمٰن کا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ خود کیا کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان کے عوام کیا کہیں گے۔"

"ایڈم درست کہہ رہا ہے۔" سائمن نے کاغذات فائل میں رکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

"ان میں سے اکثر سیاستدان ہیں اور الیکشن لڑنے سے پہلے ہر سیاستدان کو اپنے عوام کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے تاکہ پانچ سال بعد عوام خود دیکھ لیں کہ اس حکمران کی دولت میں مشکوک اضافہ ہوتا تو نہیں نظر آ رہا؟ صوفیہ رحمٰن نے اپنی اس آف شور کمپنی کو کبھی ظاہر نہیں کیا۔ اس آف شور کمپنی کے تحت وہ یورپ میں تین ہوٹلز کی مالکن ہے۔ نہ وہ اس جائیداد کا ٹیکس دیتی ہے نہ اس نے یہ اپنے اثاثہ جات میں ظاہر کی ہے۔ ٹیکس نہ دینا اور اثاثوں کا ظاہر نہ کرنا بہت بڑے جرائم ہیں۔"

"مگر ہو سکتا ہے ان لوگوں نے جائز آمدنی سے یہ جائیداد بنائی ہو اور صوفیہ رحمٰن کے علاوہ تمام سربراہان کی جائیداد تو ان کی بیوی یا بچوں کے نام ہے۔" دوسرے صحافی کو اعتراض تھا۔ ایڈم تیزی سے بولا۔

"میں نے ان سب کو ریسرچ کیا ہے۔ ان کے بیوی بچوں کا تو کوئی دوسرا سورس آف انکم ہے ہی نہیں۔ اور اگر یہ جائیداد بالفرض جائز طریقے سے ہی بنائی گئی ہے تو صحافی کا کام سوال کرنا ہے۔ حکمران کا کام جواب دینا ہے۔ کیا یہ حکمران اپنی ان جائیدادوں کو جھٹلا سکتے ہیں؟ کیا یہ جائز ذریعہ آمدن دکھا سکتے ہیں؟"

''بالکل۔اوراگرہم دنیا کو یہ نام بتا دیں تو ان ممالک کے عوام اپنے سربراہان سے سوال پوچھیں گے۔ یہ ایک انٹرنیشنل اسکینڈل ہوگا۔مگر....'' سائمن نے فائل بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔اس کے اعصاب اس ''مگر'' پہ تن گئے۔

''مگر؟'' پریشانی سے پوچھا۔

''مگر مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ ای میلز واقعی اصلی ہیں اور جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟''

''آپ کو یہ نہیں معلوم ہوگا۔آپ کو معلوم ہو بھی نہیں سکتا۔آپ کو صرف مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔آپ ان چند ای میلز کو پڑھ لیں'ان کے ہیڈرز پرکھ لیں اور انہیں مذکورہ سیاستدانوں کے سامنے رکھ دیں۔اگر وہ کلائیڈ اینڈ لی میں اپنی کمپنیز ہونے سے انکار کرتے ہیں تو جو چور کی سزا' وہ میری سزا۔''

''خیر اگر یہ ای میلز اصلی ہیں تو کوئی صدر یا وزیرِ اعظم ان کا انکار نہیں کرے گا۔'' سائمن کے انداز پہ دوسرے صحافی نے ابرو اچکائے۔

''اور وہ کیوں؟''

''کیونکہ یہ جمہوری ممالک کے سربراہان ہیں۔ان کو معلوم ہے کہ اگر ان سے پارلیمان میں یہ سوال ہوا اور انہوں نے جھوٹ بولا تو وہ پکڑا جائے گا۔جھوٹ ہمیشہ پکڑا جاتا ہے۔اور پارلیمنٹ کے فلور پہ جھوٹ بولنا بہت بڑا جرم ہے۔اس لئے'ایڈم' میں پہلے ان کاغذات کی تصدیق کروالوں پھر ہم ان کو لیک کرنے کی حکمتِ عملی بنائیں گے۔''

سائمن کھڑا ہوا تو باقی سب بھی کھڑے ہوگئے۔پھر اس نے خوشدلی سے ایڈم کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''تم نے بہت اچھا کام کیا ہے اور ہم ضرور ان لوگوں کو ان کے عوام کے سامنے ایکسپوز کریں گے۔''

''تھینک یو' سائمن۔'' اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔''لیکن آپ ان کی تصدیق کیسے کریں گے؟'' سائمن سادگی سے مسکرایا۔

''میرے اپنے بہت سورسز ہیں۔'' اس نے ایک آنکھ دبائی۔

ایڈم کو باقی دونوں خشک مزاج صحافیوں کی نسبت وہ گوارا صحافی بہت اچھا لگا تھا۔پھر ایڈم اپنا فون اٹھا کے جانے لگا تو سائمن نے پکارا۔

''اگر ہم ان کو لیک کریں تو ان ڈاکومنٹس کا کیا نام رکھنا چاہیے؟ یو نو' ہر leaks کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے۔''

ایڈم بن محمد جاتے جاتے پلٹا اور مسکرا کے سائمن کو دیکھا۔

"The Hong Kong Papers"

سائمن نے بھی مسکرا کے سر ہلا دیا۔

ایڈم کا چہرہ وہاں سے نکلتے وقت جوش و جذبے سے تمتما رہا تھا۔اسے اب جلد از جلد باقی نام ان ای میلز سے نکالنے تھے۔

☆......☆......☆

دوپہر میں بارش شروع ہوئی تو چند منٹ میں سارا کے ایل پانی میں نہا گیا۔ موسم شدید حبس کے بعد خوشگوار ہو گیا تھا۔ تنکو کامل کے ڈرائینگ روم کی کھڑکیوں کی شیشے ابھی تک گیلے تھے اور ان سے نکھرا نکھرا سالان دکھائی دے رہا تھا۔

اندر تنکو کامل اپنی بیگم شیلا کامل کے ساتھ بڑے صوفے پہ بیٹھے تھے۔ دونوں پرسکون اور سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ میز پہ چائے کی اشیاء رکھی تھیں جن کو سامنے براجمان پراسیکیوٹر احمد نظام نے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ رسمی باتوں کے بعد فوراً ہی مدعے پہ آگئے تھے۔

''تنکو کامل صاحب' میں یہاں چند سوالات کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔''

انہوں نے کوٹ کی جیب سے ایک فولڈر نکال کے میز پہ رکھا۔ تنکو کامل نے دیکھا' کھچڑی بالوں والے ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر کی گہری آنکھیں لمحے بھر کے لئے بھی ان کے چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ ان کو یوں نگاہوں کے حصار میں لئے ہوئے تھے جیسے فولڈر دیکھتے ہی تنکو کامل کے پہلے تاثرات سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چلا لیں گے۔

کامل صاحب نے جھک کے فولڈر اٹھایا اور سیدھے ہوتے ہوئے اسے کھولا۔ شیلا نے بھی ان کے کندھے کے قریب ہو کے جھانکا۔ اندر سنہرے بالوں والی لڑکی کی چند تصاویر لگی تھیں۔

''کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں؟ کہیں دیکھا ہے؟ کبھی ملاقات ہوئی ہے؟''

''ملاقات؟'' کامل صاحب نے فولڈر بے توجہی سے بند کیا اور میز پہ ڈالا۔

''یہ تو ہماری ملازمہ تھی۔ ایک سوپ پارلر میں سوپ بناتی تھی اور وہیں سے ہم نے اس کو ہائر کیا تھا۔''

احمد نظام کے کندھے ڈھلکے۔ انہوں نے تھکان بھری سانس خارج کی۔ یہ سب تو بہت آسان تھا۔ کوئی بھی تالیہ کو پہچاننے سے انکار نہیں کر رہا تھا۔

''اور اس کا نام کیا تھا؟''

''تالیہ مراد۔'' شیلا بھی اسی سادگی سے بولیں۔ ''کیوں؟ کچھ ہوا ہے کیا؟''

''نہیں۔ بس روٹین کی کارروائی تھی۔'' پھر چند مزید سوالات پوچھ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فولڈر اٹھا لیا۔ اب مزید کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔

باہر انویسٹی گیٹر کار کے ساتھ کھڑا بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ احمد نظام کو آتے دیکھ کے سیدھا ہوا۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' بے چینی سے پوچھا۔

''فوراً مان گئے کہ وہ ان کی نوکرانی تھی۔'' وہ جوش سے بتانے لگے۔ انویسٹی گیٹر پہلے حیران ہوا پھر اس کے چہرے پہ خوشی کی رمق دوڑی۔

”گڈ۔یعنی تالیہ مراد بھیس بدل بدل کے مختلف نوکریاں کرتی رہی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟“

”سنو نوجوان!“ انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے سنجیدگی سے کہا۔”اب اس لڑکی سے آمنے سامنے ملاقات کا وقت آ گیا ہے۔اس کے بارے میں تمام دستاویزات کو ہم ایک دفعہ پھر پڑھیں گے اور اس کے بعد میں اس سے ملنے جاؤں گا۔“

”بالکل سر۔“ وہ مسکرایا اور سر کو خم دیا۔کیس دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر کی بارش نے رات تک ٹھنڈ مچائے رکھی پھر حسب معمول حبس بڑھنے لگا۔وہی گرمی، وہی پسینہ...کے ایل میں بارش بار بار ہوتی تھی اور بار بار ما حو ویسا ہی ہو جاتا تھا۔

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں اس رات خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔بتیاں بجھا کے داتن نے میز پہ رکھا کینڈل برا جلا رکھا تھا اور اب وہ چاول کھاتے ہوئے موم بتیوں کے پھڑ پھڑاتے شعلوں کی زرد روشنی میں تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔سنہری بالوں کو ہیئر بینڈ سے پیچھے کیے، وہ ٹراوزرز پہ نائٹ شرٹ پہنے، سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی۔جھکی پلکوں پہ بے نام سی اداسی تھی جو داتن پدوکا کو بے چین کر رہی تھی۔

نیم اندھیر خاموش لاؤنج کم کچن.....اور وسط میں جلتی تین موم بتیوں کے گرد بیٹھے دو خاموش نفوس۔باہر پھیلا حبس اور اندر چھائی اداسی نے ماحول کی گھٹن بڑھا دی تھی۔

”آج دن کیسا گزرا؟“ داتن کھنکھاری۔

”مصروف۔الیکشن سر پہ ہے نا۔“ (جھکا چہرہ نہیں اٹھایا۔)

”تمہارا لیڈر جیت گیا تو؟“

”تو ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے اور وزارتِ عظمٰی کے الیکشن کی تیاری کریں گے۔“

”اور اگر ہار گیا تو؟“

تالیہ کا چمچ والا ہاتھ رکا۔آنکھیں اٹھا کے داتن کو دیکھا۔

”اگر وہ ہار گئے تو بھی ہم ہمت نہیں ہاریں گے۔ہار کو قبول کریں گے اور مثبت انداز میں دوبارہ سے کوشش کریں گے۔میں دونوں قسم کی صورتحال کے لئے تیار ہوں۔“ دوبارہ سے چہرہ جھکا لیا اور سوپ کو چمچ بھرنے لگی۔

”پریشان ہو کسی بات پہ؟“

”عصرہ نے میرے خلاف تفتیش کھلوا دی ہے۔“ اس نے مختصر الفاظ میں سارا وقعہ سنا ڈالا تو داتن تیزی سے سیدھی ہوئی۔

”میں تمہیں کہتی تھی تالیہ، مشہور آدمی کی باڈی ووِمن بننا تمہیں لوگوں کی نظروں میں لے آئے گا۔اف اب کیا ہو گا؟“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے حال ہی میں جتنی جگہوں پہ کام کیا ہے' سب سے بات کرلی ہے۔''

''اوہ شکر۔'' داتن کو حوصلہ ہوا۔ ''کیا کہا ان لوگوں نے؟''

''سب نے کہا کہ وہ میرا کسی کو نہیں بتائیں گے اور ہر ثبوت مٹا دیں گے۔ ابھی تک ان میں سے کسی کو علم نہیں ہوا تھا کہ میں نے ان کے ہاں سے کچھ چرایا تھا۔'' وہ چہرہ جھکائے آہستہ آہستہ سوپ میں چمچ ہلا رہی تھی۔

''تو کیا وہ واقعی نہیں بتائیں گے؟''

''اونہوں۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ وہ تفتیش کاروں کو سچ سچ بتا دیں کہ میں ان کے پاس کام کر چکی ہوں۔ سوپ پارلر اور تنگو کامل کے گھر سے تو ایک پراسیکیوٹر صاحب پھر بھی آئے ہیں۔''

داتن کا منہ کھل گیا۔ ''ہیں؟ تم نے ایسا کیوں کیا؟''

ہیئر بینڈ والی لڑکی نے چہرہ اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔ ''کیونکہ میں اس کھیل کو ''سچ'' کے ساتھ جیتنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ جھوٹ بولتے تو بھی آس پاس کے اسٹریٹ کیم کی مدد سے میرے ان کے ہاں آنے جانے کے ثبوت مل ہی جاتے۔ لیکن سچ بول کے انہوں نے تفتیش کاروں کے شکوک کو پکا کر دیا ہے۔ جانتی ہو اب وہ پراسیکیوٹر کیا کرے گا؟''

''کیا؟'' داتن سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھ سے ملنا چاہے گا اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' وہ مخصوص انداز میں مسکرائی۔ ''اور تم بے فکر رہو۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

وہ ایک دفعہ پھر سے سر جھکا کے سوپ پینے لگی۔ سنہری بال دائیں بائیں ٹی شرٹ کے کندھوں پہ گر رہے تھے اور اس کا چمچ پیالے میں چل رہا تھا۔ داتن بس اسے دیکھے گئی۔ موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔

''اور زندگی کا پلان ہے تالیہ کے پاس؟''

''کوئی لیکچر نہ دینا' داتن۔'' وہ بور سی ہوئی۔ ''میں سارے دن کی تھکی ہاری اب گھر آئی ہوں۔ اور میں بالکل نہیں سننا چاہتی کہ وان فاتح کے ساتھ رہنے کے مزید کتنے نقصانات ہیں۔''

''وان فاتح کے علاوہ کوئی تمہاری زندگی میں نہیں آسکتا' تالیہ؟ کوئی تمہیں نہیں چاہ سکتا؟''

تالیہ نے خفا نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں جانتی ہوں اس کی چاہت وغیرہ کے بارے میں مگر میں اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ وہ میری ٹائپ کا نہیں ہے۔ اب وہ جتنا میرے آگے پیچھے پھرے' مجھے وہ نہیں پسند۔''

تبصرہ بے رحمانہ تھا۔داتن کا دل دکھا۔ناراضی سے اسے دیکھا۔

''ایسے نہیں کہتے' تالیہ۔وہ بے چارہ تم سے محبت کرتا ہے۔تم ایک دفعہ اس کے بارے میں سوچ کے تو دیکھو۔''

''اس کے بارے میں سوچنے کے لئے اس کی بہن کافی ہے۔'' تالیہ نے ناک سکوڑ کے کہا تو وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ صورتحال سمجھنے میں اسے چند لمحے لگے۔

''کون؟اشعر؟''

''ظاہر ہے'اشعر۔'' وہ برے موڈ سے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔داتن بس اپنی اس نوجوان دوست کو دیکھ کے رہ گئی۔

''میرے قدیم ملاکہ جانے سے پہلے تم کہا کرتی تھیں کہ اشعر مجھ میں دلچسپی لے رہا ہے اور اب تو....خیر۔اب عصرہ محمود کے جرم کا پردہ فارش کرنے کا وقت ہے۔''

داتن کی بھوک مرگئی تھی۔اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ پلیٹ پرے کی اور آہستہ سے بولی۔

''عصرہ کے اتنے پرانے جرم کا سراغ تم کیسے لگاؤ گی؟اوہ میں بھول گئی۔تم کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر ہو جس کو لوگوں کے راز کھوجنے آتے ہیں۔'' (پھر آہستہ سے بولی۔) ''مگر دل نہیں۔''

''غلط۔میں انویسٹی گیٹر کبھی تھی ہی نہیں۔میں تو صرف اسکامر تھی۔اور کسی اچھے اسکام کی خوبصورتی کس بات میں ہوتی ہے' داتن؟'' وہ ابھی تک چہرہ جھکائے سوپ کے چمچ پی رہی تھی۔

''ٹارگٹ کو لگنا چاہیے کہ یہ اس کا اپنا آئیڈیا ہے۔'' داتن نے رٹا رٹایا جواب دیا۔اس کا دل عصرہ اور فاتح کے ذکر سے بالکل اچاٹ ہوگیا تھا۔

''اسی طرح میں نے کوئی تفتیش نہیں کرنی۔عصرہ محمود ہمیں خود بتائے گی کہ اس نے آریانہ کو کیسے مروایا تھا۔اس نے ایک باپ سے اس کی بیٹی چھینی تھی'اس کو سزا ملنی چاہیے۔'' چمچ لبوں تک لائی اور پھر بے دلی سے واپس انڈیل دیا۔داتن نے اب کی بار غور سے اسے دیکھا۔

''تم آج اتنی اداس کیوں ہو؟''

تالیہ نے پیالہ پرے کھسکایا اور ٹشو نکال کے ہاتھ پونچھنے لگی۔کوئی جواب نہیں دیا۔

''تالیہ؟''

''مجھے اپنے بابا کا خیال آرہا ہے۔''

لیانہ صابری کا حلق تک کڑوا ہوگیا اور غصہ ایسا چڑھا کہ حد نہیں۔پہلے فاتح کا خاندان اور اب مراد راجہ؟اف۔

''وہ....وہ ملاکہ کی اسٹوری کا ولن؟جس نے تمہاری زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی؟تمہیں اس کا خیال آرہا ہے اور یہاں اتنے

لوگ جو.....جو تم سے محبت کرتے ہیں ان کا کیا؟''

تالیہ مراد نے ہاتھ پونچھتے ہوئے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تالیہ بنتِ مراد سے مراد راجہ جتنی محبت کوئی نہیں کرسکتا۔ خود تالیہ بھی نہیں۔'' پھر پھونک مار کے موم بتیاں بجھا دیں، اور کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ نیم اندھیر کمرے میں اب صرف کھڑکیوں سے باہر کی روشنی آرہی تھی۔

کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔

☆......☆......☆

آج کل آفس میں علی الصبح ہی کام شروع ہو جاتا تھا۔

ایڈورٹائزنگ، سوشل میڈیا کیمپئین، ڈاکومینٹریز بنانا اور شہر کے مختلف علاقوں میں سیمینارز منعقد کر کے وہاں وان فاتح کی تقریر کا بندوبست کرنا، یہ کام صبح سے شروع ہو کے رات دیر تک چلتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ پارٹی الیکشن تھا، اس لئے پورے ملک میں پھیلے اپنے ڈھائی لاکھ ووٹرز کو ان سیمینارز اور انٹرویوز کی سوشل میڈیا پہ ویڈیوز کے ذریعے متوجہ کرنا مقصود تھا۔

دونوں امیدواروں کے اسٹاف ڈھائی لاکھ لوگوں کو ان کے رجسٹرڈ سیل نمبرز پہ اپنا ووٹ لازمی ڈالنے کی طرف مائل کرنے والے پیغامات بھیج رہے تھے۔ غرض سارا دن سب اپنے کمپیوٹرز اور موبائلز میں سر دیے بیٹھے رہتے یا وان فاتح کے ساتھ کاغذوں میں گھرے سیمینارز کی تقریریں اور دوسرے امور سنبھالتے رہتے تھے۔ چند ورکرز اینالسٹ کے طور پہ کام کر رہے تھے اور روز شام کو وہ اعداد و شمار کا جائزہ لے کر اپنی کمزوریوں اور مخالف کی خوبیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔

ایسی ہی ایک رپورٹ کے کاغذ ہاتھ میں لئے تالیہ کانفرنس روم کی گول میز کے گرد بیٹھی تھی اور اہم نکات پڑھ کے سنا رہی تھی۔

کانفرنس روم کی حالت عام دنوں کے برعکس کافی ابتر تھی۔ میز پہ جگہ جگہ کاغذوں اور فائلز کا ڈھیر لگا تھا۔ تین چار لیپ ٹاپ کھلے رکھے تھے۔ ایک کونے میں چھوٹی میز رکھ کے تین اسٹافرز بیٹھے ایک ہی کمپیوٹر پہ لگے، بحث کر رہے تھے۔ شیشے کی دیوار پہ جا بجا کاغذات چسپاں تھے جن پہ کیمپئین اسٹریٹجی کے اہم نکات لکھے تھے۔

بڑی گول میز کے گرد آدھ درجن لوگ بیٹھے تھے جن میں اشعر اور تالیہ کے سوا باقی آپس میں لگے کام کر رہے تھے۔

وہ دونوں فاتح کی طرف متوجہ تھے جو میز کے کنارے پہ بیٹھا تھا۔ آج اس نے ٹائی نہیں پہنی تھی اور شرٹ کے آستین موڑے ہوئے تھے۔ ماتھے پہ بال بکھیرے، عینک لگائے وہ اس رپورٹ کو خود پڑھتا، گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔ پھر وہ میز کے کنارے سے اٹھا اور ان دونوں کی طرف رخ موڑا۔

''حاکمی کے اسٹنٹ اچھے جا رہے ہیں۔ اور تین دن بعد الیکشن ہے۔ لوگ اب اس کو ووٹ دیں گے جو انہیں ان تین دنوں میں

متاثر کر سکے۔“

”میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔“ تالیہ دبے دبے جوش سے بولی تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔ دوسرے لوگوں کے برعکس وہ کیمپئین کی نیلی شرٹ نہیں پہنتی تھی۔ آج بھی لمبے سفید فراک اور گردن میں پھولدار رنگ برنگے اسکارف کی گرہ باندھے، بالوں کا جوڑا بنائے بیٹھی وہاں سب میں ممتاز نظر آ رہی تھی۔

”ہمیں حاکمی صاحب اور آپ کے درمیان ایک گرینڈ ڈی بیٹ (مباحثہ) رکھنی چاہیے جیسے ترقی یافتہ جمہوری ممالک کا کلچر ہے۔ دونوں امیدوار اسٹیج پہ کھڑے ہوتے ہیں۔ پہلے ایک بولتا ہے۔ پھر دوسرا۔ دونوں باری باری اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ پھر صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ میڈیا اس سب کو لائیو دکھاتا ہے۔ اس ڈی بیٹ میں دونوں امیدوار اپنے تئیں لوگوں کے مسائل کا حل بتاتے ہیں اور اپنی ترجیحات بھی۔ یوں عوام خود فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کون سا امیدوار زیادہ بہتر ہے۔“

تالیہ نے تائیدی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ جہاں اشعر کو اس خیال نے پرجوش کیا، وہیں وان فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔

”حاکمی میرے ساتھ ایک اسٹیج پہ..... ایک فریم میں کبھی نہیں کھڑا ہوگا۔“ اس کا اشارہ کیمرے کے فریم کی طرف تھا۔

”بالکل ہوگا، آ بنگ۔“ اشعر کا لہجہ حتمی تھا۔ ”یہ اس کے لئے بھی ایک بھرپور پروموشن اسٹنٹ ہوگا۔ میں ابھی اس کے کیمپئین مینیجر سے بات کرتا ہوں۔“ وہ فون نکالتے ہوئے اٹھا اور ایک ستائشی نظر تالیہ پہ ڈالی۔ ”بہت اچھا آئیڈیا ہے چے تالیہ۔“

تالیہ نے جبراً مسکرا کے بس سر کو خم دیا۔ وہ دونوں اب رسمی گفتگو کی حد تک بات کرنے لگے تھے۔ اشعر باہر نکلا تو فاتح کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جماتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا۔

”وہ کبھی نہیں راضی ہوگا۔“

”اشعر کو منانے کے ہزاروں طریقے آتے ہیں۔“ وہ پرسکون تھی۔ کانفرنس روم میں ان کے علاوہ بیٹھے ورکرز کی دونوں ٹولیاں زور و شور سے اپنی بحث میں لگی تھیں اور اتنا شور تھا کہ اگلی بات کہنے کے لئے فاتح کو آگے جھکنا پڑا۔ وہ دونوں اب گول میز کے ساتھ کرسیوں کا رخ آمنے سامنے کیے بیٹھے تھے۔

”اشعر اچھا آدمی ہے۔“ غور سے تالیہ کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کے آہستہ سے بولی۔

”وہ صرف پیسہ بنانے میں اچھا ہے اور وہ اس وقت یہاں اس لئے ہے کیونکہ اس کے پاس پیسہ ہے اور مجھے کیمپئین کے لئے اس سے پیسے لینے پڑے تھے جیسے ابوالخیر سے لئے تھے آپ کی نیلامی.....“ بولتے بولتے وہ ایک دم رکی۔

”جیسے کیا؟“ شور کے باعث فاتح نے بھی چہرہ آگے کو جھکا کے پوچھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

”میں کہہ رہی تھی کہ حاکمی مان جائے تو ہم ڈی بیٹ کی تیاری کرتے ہیں۔“

''وہ کبھی نہیں مانے گا۔''

تالیہ نے ابرو بھینچے۔''آپ کو کیسے معلوم؟''

وان فاتح مسکرایا اور ایک کہنی میز پہ رکھے مزید آگے جھکا۔''تاشہ....میں چیئرمین بننے جا رہا ہوں' کیونکہ میں اپنی ہر پارٹی کے بندے کو جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ سیاسی پارٹیوں میں چیزیں کس طرح کی جاتی ہیں۔ کارکن سمجھتے ہیں (پہلے تالیہ اور پھر باہر گئے اشعر کی طرف مبہم سا اشارہ کیا) کہ وہ ہر چیز سمجھتے ہیں مگر کارکن' کارکن ہوتا ہے اور لیڈر' لیڈر رہتا ہے۔ ٹاپ پہ بیٹھے انسان کو ناپسندیدہ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی کے لئے باپ کی طرح ہوتا ہے اور بعض دفعہ ہمارے greater good کے لئے ہمارے باپ دادا بھی ناپسندیدہ انتخابات کا چناؤ کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ اوپر بیٹھے انسان کو نیچے کھڑا ہر انسان صاف نظر آ رہا ہوتا ہے۔ حاکمی پبلک میں جتنے اسٹنٹ کر لے میں اس کو جانتا ہوں۔ وہ کبھی میرے ساتھ اسٹیج پہ کھڑا نہیں ہوگا۔''

دروازہ کھلا تو وہ چونکی۔ اشعر اندر آ رہا تھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

''میں نے بہت اصرار کیا۔ ان کا کیمپیئن مینیجر بھی راضی ہو گیا تھا مگر جب اس نے حاکمی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔''

تالیہ نے بے اختیار فاتح کو دیکھا۔ وہ اب ٹیک لگا کے بیٹھا' انگلی گال تلے رکھے مسکرا رہا تھا۔ چہرے پہ''told you'' والے تاثرات تھے۔ تالیہ نے خفگی سے بھنویں بھینچی۔

''آخر کیوں؟ یہ ان کے اپنے لئے بھی اتنا بڑا پبلسٹی اسٹنٹ بن سکتا تھا۔'' ساری رات سوچنے کے بعد آیا آئیڈیا یوں رد ہو جائے گا' اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''کیونکہ وہ مجھ سے قد میں پانچ انچ چھوٹا ہے۔ وہ ایک فریم میں میرے ساتھ کبھی بھی نہیں کھڑا ہونا چاہے گا کیونکہ اسے بچپن سے اپنے قد کا احساسِ کمتری ہے۔''

''آپ انہیں بچپن سے جانتے ہیں کیا؟'' وہ خفا تھی۔

''میں اسے جتنا جانتا ہوں' وہ کافی ہے۔'' اس نے مسکرا کے ابرو اٹھایا تو وہ برا منہ بنا کے چپ ہو گئی۔ اشعر خاموشی سے باری باری ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''مگر تمہارا آئیڈیا اچھا تھا' تاشہ۔'' فاتح نے سراہتے ہوئے میز پہ رکھا اخبار اٹھایا۔''مجھے ایک ڈیبیٹ کرنی چاہیے تا کہ عوام دیکھ سکیں کہ بہتر لیڈر کون ہے۔ لیکن یہ حاکمی کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔''

اخبار کا صفحہ کھول کے اس پہ چھپی بڑی سی تصویر تالیہ کے سامنے کی۔

''عوام کو مجھے اس عورت کے سامنے بولتے دیکھنا چاہیے جس کے ساتھ باریسن نیشنل کے چیئر مین کا مقابلہ اگلے سال الیکشن میں ہوگا۔''

تالیہ کی نظریں اخبار کے صفحے پہ پھسلیں۔ وہاں صوفیہ رحمٰن کی بڑی سی تصویر چھپی تھی۔ اس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

''صوفیہ رحمٰن کا اس الیکشن سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کبھی بھی راضی نہیں ہوگی۔''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ ان مسئلوں کو ہینڈل کرنے کے لئے ہی میں نے ایک کیمپئین مینیجر ہائر کی ہے۔'' تالیہ کی طرف اشارہ کیا اور اخبار میز پہ ڈال کے اٹھا۔

''مجھے صوفیہ رحمٰن کے ساتھ ڈی بیٹ کرنی ہے۔ اگر یہ ڈی بیٹ اچھی چلی گئی' تو ہم الیکشن جیت جائیں گے۔ تمہیں جو بھی کرنا پڑے' تم کرو مگر مجھے یہ ڈی بیٹ چاہیے۔'' باس حکم سنا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ ہکا بکا بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اشعر کھنکھارا تو وہ گم صم سی اس کو دیکھنے لگی۔

''اب ہم کیا کریں' تالیہ؟'' وہ فکر مند لگ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے ''ہم'' ہو گئے تھے۔

''کچھ تو کرنا پڑے گا۔ اگر یہ ڈی بیٹ نہ ہوئی اور ہم الیکشن کسی اور وجہ سے ہار بھی گئے تو سارا ملبہ کیمپئین مینیجر پہ گرے گا۔'' اس نے تلخی سے کہتے ہوئے اخبار اٹھا لی۔

''آ بنگ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ وہ ملک کی وزیرِ اعظم ہے۔ وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

''وہ لیڈر ہیں اور ہم کارکن۔ ہمارا کام ہے ان کی بات ماننا اور صوفیہ کو منانا۔'' وہ فکر مندی سے اخبار کے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''ایک امیر اور طاقتور عورت کو کیسے منایا جا سکتا ہے؟''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''اسے con کر کے۔''

اشعر نے ادھر ادھر دیکھا۔ دوسرے لوگ ہنوز اپنے کاموں میں لگے تھے۔ شور اسی طرح پھیلا تھا۔ اس نے پہیوں والی کرسی آگے کی اور تالیہ کی طرف جھکا۔

''اور ہم اس کو con کیسے کریں گے؟'' وہ اچھنبے سے بولا۔ ''اس کی کمزوری ڈھونڈ کے؟''

''اونہوں۔ اسے بلیک میلنگ کہتے ہیں۔ con game الگ چیز ہوتی ہے۔ اس میں ہمیں ٹارگٹ کے ساتھ کانفیڈنس گیم کھیلنی ہوتی ہے۔ ہمارا ٹارگٹ کس چیز پہ سب سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے؟ کس پہلو سے اسے نقصان کی فکر نہیں ہوتی؟ ہم اس طرف سے اس کو کوئی ایسی آفر دے سکتے ہیں جس کو وہ ٹھکرا نہ سکے۔ مجھے سوچنے دیں۔'' وہ الجھی الجھی سی صفحات پلٹتی کہہ رہی تھی۔ فاتح نے ایک دم ہر چیز مشکل بنا دی تھی۔ اگر وہ یہ کام نہ کر سکی تو اس کی ساری محنت' ساری ریاضت رائیگاں چلی جائے گی۔

☆......☆......☆

آرٹ گیلری کا مرمریں فرش اس دوپہر ٹھنڈا پڑا تھا۔ دور تک پھیلی دیواروں پہ جا بجا پینٹنگز آویزاں تھی اور لوگ ٹہلتے ہوئے ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑے سے ہال میں مقدس سی خاموشی چھائی تھی۔ ایک قدم آدم پینٹنگ کے سامنے عصرہ محمود کھڑی' گردن اٹھائے غور سے اسے دیکھ رہی تھی جب اسے قریب آتے قدم محسوس ہوئے۔ وہ مڑی نہیں' بس پینٹنگ پہ نگاہیں مرکوز کیے بولی۔

''میرے لائق کوئی خدمت' چے تالیہ؟'' لہجہ طنزیہ اور خشک تھا۔ جواب نہ آیا تو وہ پلٹی۔ سفید لمبے فراک اور پھولدار مفلر والی تالیہ قریب پہنچ چکی تھی اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا' گویا بھاگ کے آئی ہو۔

''فون پہ بتانے والی بات نہیں تھی اور وقت کم ہے۔ ہمیں آپ کی مدد چاہیے۔'' وہ چھوٹتے ہی کہنے لگی۔ عصرہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

''اپنے شوہر کو وزیرِ اعظم بنانے کے لئے میں سب کرنے کو تیار ہوں۔''

اسکرٹ بلاؤز کے اوپر سر پہ اسٹول اوڑھے' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی کسی ملکہ کی مانند لگتی تھی۔ شہزادی تاشہ کو آریانہ یاد آئی۔ (ظالم ملکہ نے اسے کیوں مروایا؟ کیا وجہ تھی آخر؟)

''آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔'' کہتے کہتے تالیہ نے اس کے کندھے کے پیچھے دیوار پہ آویزاں پینٹنگ کو دیکھا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''کیا آپ اس کو خریدنے جا رہی ہیں؟''

''اب اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کام بھی کرنا ہوگا۔ اسی لئے آج یہاں آئی ہوں تاکہ کچھ شہ پارے خرید سکوں۔ میری گیلری ابھی تک بند پڑی ہے۔ اس کو دوبارہ سے چالو کرنا ہے۔ کیمپین مینیجر کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' ٹون طنزیہ ہو گئی۔

''آپ کے فیصلے سے یاد آیا....'' تالیہ نے ماتھے کو چھوا۔ ''آریانہ والا معاملہ۔'' بات ادھوری چھوڑی تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

''کون سا معاملہ؟''

تالیہ نے دائیں بائیں دیکھا' پھر اس کے قریب ہوئی۔ ''اگلے سال چونکہ ہم نے صوفیہ رحمٰن کے خلاف الیکشن لڑنا ہے' اس لئے میں نے سوچا ابھی سے اس کے آریانہ کے قتل میں ملوث ہونے کے ثبوت ڈھونڈنے چاہئیں۔'' وہ رازداری سے بتا رہی تھی اور عصرہ کے اعصاب تن رہے تھے۔

''ویری گڈ۔ کچھ ملا؟''

''ایک دوست ہے انٹیلی جنس ایجنسی میں۔ اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اور گیس کریں اس نے کیا بتایا؟''

عصرہ کے سینے پہ لپٹے بازوؤں نے ایک دوسرے کو سختی سے بھینچ لیا۔ بہت ضبط سے وہ چہرے پہ تعجب سجا کے پوچھنے لگی۔

''کیا؟''

تالیہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رازداری سے بولی۔ ''صوفیہ رحمٰن نے آریانہ کو نہیں مروایا۔''

عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''ناممکن۔ اگر وہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟'' وہ برہم ہوئی۔

''کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ میرے دوست نے بہت وثوق سے بتایا ہے کہ آریانہ زندہ ہے۔''

عصرہ کے بازو ڈھیلے سے ہو کے پہلوؤں میں جا گرے۔ لب شاک سے کھل گئے۔

''کیا؟'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''مگر فاتح نے خود اس کو دفنایا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''وان فاتح نے جو لاش دیکھی تھی' وہ مسخ شدہ تھی۔ بچی کا چہرہ واضح نہ تھا۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ اغوا کاروں کو آریانہ کے پیچھے بھیجنے کے بارے میں پہلے سے کسی تیسرے فریق کو معلوم ہو گیا تھا۔ ان اغوا کاروں کا کھائی میں گر کے مر جانا اور آریانہ کی مسخ شدہ لاش کا ملنا اتفاق نہیں تھا۔ ایک ایجنسی کی خفیہ تفتیشی رپورٹ میں یہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی تیسرا فریق اغوا کاروں کو مار کے بچی کو وہاں سے لے گیا تھا اور وہ لاش آریانہ کی نہیں تھی۔ آریانہ اب بھی زندہ ہے اور اس کے اغوا کاروں کو کس نے بھیجا تھا' یہ سب اس رپورٹ میں لکھا تھا مگر صوفیہ رحمٰن نے رپورٹ redact کر کے دبا دی تھی۔ وہ اس کو اگلے الیکشن کے وقت وان فاتح کے خلاف استعمال کرنا چاہے گی۔''

عصرہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آنے لگا۔ (وہ اگلے الیکشن میں بتائے گی کہ وان فاتح کی بیوی قاتلہ ہے؟ یا اللہ۔)

''آپ ماں ہیں اس لئے آپ کو بتا رہی ہوں۔ فاتح صاحب کو ابھی مت بتائیے گا۔ اگر یہ بات غلط نکلی تو ان کا دل بری طرح ٹوٹے گا۔'' وہ بہت ہمدردی سے بتا رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''وہ.....وہ رپورٹ....وہ کس کے پاس ہے؟''

''وہ redacted ہے اور ایسی رپورٹس کو نکلوانے کے لئے ہائی انٹیلی جنس کلیئرنس چاہیے ہوتی ہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ وہ نکل آئے۔ خیر....ابھی میں کسی اور کام کے لئے آئی تھی۔''

عصرہ کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ بدقت اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا۔

''تم نے مجھے کنفیوژڈ کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری بیٹی کہاں ہوگی۔ خیر....کام بتاؤ۔''

عصرہ محمود کچھ دیر پہلے والی گردن کڑا کے کھڑی عورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے کندھے ڈھلک چکے تھے اور وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''آپ کے پاس ایک چینی ملکہ کی اینٹیک ہیئر پن تھی۔ ہے نا؟''

''ہاں۔ وہ میری پرائیوٹ کلیکشن میں ہے۔ کیوں؟'' اس نے الجھ کے تالیہ کو دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار میں بیٹھتے ہوئے تالیہ فون پہ کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہو میری سپر پاور کیا ہے' داتن؟ کہانیاں گھڑنا۔ میں نے ابھی ایک کہانی عصرہ کو سنائی ہے جس کے بعد وہ اس خوف میں چلی جائے گی کہ کوئی اس کا راز جانتا ہے اور آریانہ کا بھوت کسی تلوار کی طرح اس کے سر پہ لٹک رہا ہے۔ جانتی ہو اس کے بعد وہ کیا کرے گی؟''

''وہ اپنا جرم کور اَپ کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اپنے قدموں کے نشانات کو مٹانے کے لئے واپس اسی راستے پہ جائے گی جس کے ذریعے اس نے یہ جرم کروایا تھا۔'' داتن سمجھ گئی تھی۔

''اور اس طرح ہم اس کو پکڑیں گے۔ میں نے کہا تھا نا' ہم انویسٹی گیٹرز نہیں ہیں داتن' ہم اسکا مرز ہیں۔'' مسکرا کے فون رکھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ وہ بیک وقت دو ملکاؤں کے ساتھ con game کھیل رہی تھی اور کھیل دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی ہوتا جا رہا تھا۔ فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ نامعلوم نمبر ہونے کے باوجود اس نے کال اٹھا لی۔

دوسری طرف سے مدعا سن کے وہ مسکرائی۔

''شیور۔ پراسیکیوٹر صاحب۔ مجھ سے ملنے کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔ مگر پلیز مجھے تھوڑا وقت دیں۔ پرسوں الیکشن ہے تو کیا ہم اس کے بعد کی ملاقات رکھ لیں؟ شیور۔ تھینکس۔ اگلے ہفتے آپ کسی بھی دن آ جائے۔ ویسے آپ کون ہیں؟ اوہ اچھا ان کے انویسٹی گیٹر۔ ویسے انہوں نے کیوں ملنا ہے مجھ سے؟ چلیں ٹھیک ہے' میں ملاقات میں ان سے خود معلوم کر لوں گی۔ اوکے بائے۔'' فون رکھا اور مسکرا کے کار کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

پراسیکیوٹر سے ملنے کے لئے اسے صرف ایک ہتھیار چاہیے تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک بک شاپ میں کھڑی سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بنگا راملا یو خریدنی ہے۔''

☆......☆......☆

وہ ایک نو تعمیر شدہ میوزیم تھا جس کی عمارت کے مرکزی دروازے پہ کٹا ہوا ربن اور پھولوں کی پتیاں گری تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا افتتاح کیا گیا تھا اور اب معزز مہمانانِ گرامی اندر ہال میں بچھی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ ہال کی چھت بیسیوں فٹ اونچی تھی اور جھملاتے فانوسوں سے سجی تھی۔ ایک طرف دور دور تک نئے نکور شوکیسز میں مقید شہ پارے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہمانوں کی کرسیوں کی بیس پچیس قطاریں بچھی تھیں۔ سامنے اسٹیج تھا جہاں ڈائس کے پیچھے صوفیہ رحمٰن کھڑی مسکراتے ہوئے تقریری انداز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آج مسز عزت نے اپنے میوزیم کا افتتاح میرے ہاتھوں سے کروایا۔''

صوفیہ نے اسٹیج پہ کرسی پہ بیٹھی بوائے کٹ بالوں اور منی اسکرٹ میں ملبوس اسمارٹ سی خاتون کی طرف اشارہ کیا جس نے مسکرا کے سر کو تعظیمی خم دیا۔ اس کے چھوٹے بالوں میں سجی ہیروں سے مزین ہیئر پن دور سے چمک رہی تھی۔

''عزت میرے والد کی پرانی کارکن بھی رہی ہیں اور فین بھی۔'' صوفیہ کا مسکراتا چہرہ دمک رہا تھا۔ سر پہ سفید اسکارف پہنے' وہ جامنی رنگ کے باجو کرنگ میں ملبوس تھی اور اس کی انگلیوں میں انگوٹھیاں جگر جگر چمک رہی تھیں۔

''مجھے خوشی ہے کہ عزت نے اپنے میوزیم کے سب سے نمایاں مقام پہ میرے والد اور اپنی اس تصویر کو جگہ دی ہے جو غالباً بیس سال پہلے اتاری گئی تھی۔ بیس سال؟'' گردن موڑ کے چھوٹے بالوں اور اتھلیٹک جسامت والی عزت سے پوچھا۔

''اٹھارہ سال۔'' اس نے تصحیح کی تو صوفیہ رحمٰن سامعین کی طرف مڑی اور مسکرا کے تصحیح کی۔ ''اٹھارہ برس پہلے بابا کو جب ٹین ایجر عزت کالج فنکشن میں ملی تھیں' تب یہ تصویر اتاری گئی تھی۔''

وہ تصویر قد آدم پورٹریٹ کی صورت اسٹیج کی پشت پہ رکھی گئی تھی۔ یہاں سے تمام مہمانانِ گرامی اس کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی ایک سیاستدان سے اسکول کے اسٹیج پہ انعام وصول کر رہی تھی۔

''آرٹ کے موضوع پہ اتنی لمبی تقریر سن کے آپ تھک گئے ہوں گے۔ اس لئے اب میں اپنا بھاشن بند کرتی ہوں۔ اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو پلیز پوچھیے۔'' وہ بہت شگفتگی سے کہہ رہی تھی۔ مسکراتی آنکھیں سامنے دور دور تک بیٹھے مہمانوں پہ جمی تھیں۔ چند لوگوں نے ہاتھ کھڑے کیے۔

نیچے مائیک لئے کھڑا ورکر مہمانوں کی قطاروں کے اندر جانے لگا تاکہ سوال پوچھنے والے کو مائیک تھما سکے البتہ جانے سے پہلے اس نے ایک نظر اسٹیج پہ بیٹھی اپنی مالکن پہ ڈالی ۔عزت نامی اس آرٹ کلیکٹر نے پلکوں کو جھپک کے اسے اشارہ کیا تو وہ درمیانی راستے پہ چلتا پچھلی نشستوں تک چلا آیا اور ایک شخص کو مائیک تھمایا۔

وہ سیاہ پینٹ پہ گرے ڈریس شرٹ پہنے' آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھا۔ بال ماتھے پہ سامنے کو گر رہے تھے اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ مائیک تھام کے وہ کرسی سے اٹھا۔ دراز قد' صاف رنگت کا وجیہہ صورت مرد۔ اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن نے پتلیاں سکوڑ کے اس پہ فوکس کرنا چاہا۔ جانا پہچانا چہرہ۔

''ایک ملے شہری ہونے کے ناتے میرے پانچ سوال ہیں ملکہ....سوری....وزیرِ اعظم صاحبہ سے۔ اجازت ہو تو پوچھ لوں' یا ننگ امت بر حرمت؟ (عزت مآب)''

ڈائس پہ ہتھیلیاں رکھ کے کھڑی صوفیہ کا سانس رک گیا۔ شکل دور سے پہچاننے میں اگر دس سیکنڈ لگے تو آواز پہچاننے میں لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ لوگ ایک دم گردنیں موڑ موڑ کے دیکھنے لگے۔ وان فاتح بھی کہہ کے رکا نہیں۔ کرسیوں کی قطاروں کے درمیانی راستے پہ آگے بڑھنے لگا۔ مائیک لبوں سے لگا رکھا تھا۔

''آہا....وان فاتح آئے ہیں۔'' صوفیہ بھرپور طریقے سے مسکرائی اور گردن موڑ کے ایک سلگتی نظر عزت پہ ڈالی جو سپاٹ سا مسکرا

رہی تھی۔ بالوں کی ہیئر پن کی چمک بڑھ گئی تھی۔ (اس کو تو وہ بعد میں دیکھ لے گی۔)

آخری قطار میں بیٹھی عصرہ نے اپنے ساتھ موجود تالیہ کے قریب سرگوشی کی۔

"تمہیں یقین ہے یہ طریقہ کام کر جائے گا؟"

"یہ طریقہ کام کر چکا ہے' مسز عصرہ۔ صوفیہ رحمٰن ایک ڈوبتا تاثر ٹینک ہے۔ اور پھر عزت آپ کی دوست ہے۔ اسے صوفیہ کے علم میں لائے بغیر ہمیں فنکشن پہ بلانا اور فاتح صاحب کو بولنے کا موقع دینا اتنا مہنگا سودا نہیں لگا ہوگا۔ وان فاتح اگلے وزیر اعظم ہیں۔"

"مہنگا تو یہ مجھے پڑا ہے۔ وہ ہیئر پن جو میں نے اسے جبراً گفٹ کی ہے' وہ بہت قیمتی تھی۔" عصرہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ "لیکن خیر.... میں فاتح کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

تالیہ نے نگاہوں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ "واقعی۔ فاتح کے لئے آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔"

(آریانہ کا قتل بھی۔)

"جی' یانگ امت برحرمت۔ فاتح بن رامزل آیا ہے۔"

ادھر وہ وزیر اعظم کی بات کا جواب دیتا چلتے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ لوگ حیرت اور جوش سے گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھ رہے تھے۔ دبی دبی سرگوشیاں شروع ہو چکی تھیں۔

"بہت معذرت کہ میں دیر سے پہنچا مگر صد شکر کہ میں نے سوالات کا وقفہ مس نہیں کیا۔ مجھے بطور شہری آپ سے....."

"چار سوال پوچھنے ہیں۔ پوچھیے نا۔" وہ بظاہر مسکرا کے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "حالانکہ اصولاً اس وقت آپ کو اپنی کیمپئین میں مصروف ہونا چاہیے تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے مگر میری آرٹ lover بیوی ایسی تقریبات نہیں چھوڑتی۔"

قطار میں کیمرے لئے موجود میڈیا کے نمائندے اب دھڑا دھڑ رخ موڑے وان فاتح اور دور پیچھے بیٹھی عصرہ کی تصاویر بنا رہے تھے۔

"یانگ امت برحرمت۔" وہ کھنکھار کے مائیک لبوں کے قریب کیے پوچھنے لگا۔ مسکراتی نظریں اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ پہ جمی تھیں جس کے اطمینان اور مسکراہٹ میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

"میرا آپ سے پہلا سوال۔ آپ کیسی ہیں؟"

ہال میں دبا دبا سا قہقہہ گونجا۔ کوئی سر جھکا کے ہنسا' کسی نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وہ خود بھی مسکرا رہا تھا۔

صوفیہ نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکایا ایسے کہ چمکتی آنکھیں فاتح پہ مرکوز تھیں۔

اللہ کا بہت بہت شکر ہے۔ میں اچھی ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

''اوہ تو آپ چاہتی ہیں کہ ہر وہ سوال جو میں آپ سے پوچھوں' وہ آپ آخر میں میری طرف لوٹا دیں۔ اٹس او کے۔ مجھے منظور ہے۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔''

لاگ پھر سے ہنسے تھے۔ وہاں آرٹ اور بزنس کمیونٹی کے مہذب لوگ بیٹھے تھے اور انہیں یہ گفتگو محظوظ کر رہی تھی۔

ایسے میں عزت اپنی جگہ سے اٹھی اور مائیک پہ وان فاتح کو اوپر آنے کی دعوت دی۔ صوفیہ نے بھی تائیدی انداز میں سر کو خم دیا۔ وہ وان فاتح بن رامزل تھا۔ اسے اسٹیج سے کم کسی جگہ پہ نہیں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

''بے شک یہ آرٹ کی محفل ہے لیکن میں سیاسی آدمی ہوں۔ مجھے آرٹ کا کچھ علم نہیں۔ اس لیے میرا دوسرا سوال'' وہ اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مائیک میں بولا۔

''کیا آپ نے الیکشن کے وقت اپنی تمام پراپرٹی سے عوام کو آگاہ کیا تھا؟ ملائیشیاء میں دو فیکٹریوں اور دو گھروں کے علاوہ باقی دنیا میں آپ کی کوئی دوسری پراپرٹی....کوئی آف شور ملکیت ہے جس سے ہم ناواقف ہوں؟''

وہ اسٹیج پہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پہ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں کا رخ حاضرین کے سامنے تھا۔ وہ ڈائس پہ کہنی جمائے' ذرا مڑ کے اسے دیکھ رہی تھی اور فاتح مائیک پکڑے کھڑا حاضرین اور صوفیہ دونوں کو باری باری دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔ فاتح صاحب۔ میں بہت ذمہ داری سے آپ کو بتا رہی ہوں کہ میری جو جائیداد ہے وہ ملائیشیاء میں ہے۔ میرا جینا میرا مرنا' سب ملائیشیاء میں ہے۔ میں نے کبھی ملک سے باہر کوئی جائیداد نہیں بنائی۔''

وہ اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پھر رک کے پوچھا۔''اور آپ نے؟''

''میری تو وہی جائیداد ہے جو الیکشن کے وقت میں نے بتا رکھی ہے۔ میرے پاس مزید کچھ نہیں ہے (کندھے اچکائے) مگر آپ بالکل شیور ہیں کہ آپ کی دوسری کوئی جائیداد نہیں ہے؟''

''کیا یہ تیسرا سوال ہے؟'' وہ محظوظ انداز میں بولی تو لوگ ہنس پڑے۔

''نہیں یہ سوال نمبر دو کا دوسرا پارٹ ہے۔''

''گڈ۔ میں بالکل شیور ہوں۔ میں نے اپنی جائیداد سے متعلق کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''اوکے۔ میں اس بات کو یاد رکھوں گا۔'' اس کے انداز میں کوئی تنبیہہ تھی جو صوفیہ رحمٰن کو اندر سے بے چین کر گئی مگر اس کی مسکراہٹ لمحے بھر کو بھی چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تیسرا سوال۔ آپ کے خیال میں لوگوں کا ووٹ ڈالنا کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ ہر شخص سوچتا ہے کہ ایک میرے ووٹ سے کیا ہوگا۔ آپ ووٹرز کو کیسے اس بارے میں سمجھانا چاہیں گی؟''

''میں اس بات کے خلاف ہوں کہ ایک ووٹ سے کچھ نہیں ہوتا۔ بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ چہرہ حاضرین کی طرف موڑے مدبر

انداز میں کہنے لگی۔ ''آپ میں سے ہر شخص کا ووٹ اہم ہے کیونکہ قطرہ قطرہ مل کے سمندر بنتا ہے۔ اگر ہر شخص گھر بیٹھ جائے اور سوچے کہ اس کا ووٹ بے معنی ہے تو تبدیلی کیسے آئے گی؟ اور اگر ہر شخص ووٹ ڈالنے نکل آئے تو معاشرہ بدل سکتا ہے۔ سب کے ووٹ مل کے ایک بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ آپ ایسے ناامید ووٹرز کو کیسے سمجھائیں گے؟'' چہرہ موڑ کے طنز سے فاتح کی طرف دیکھا۔

وہ جو دوسرے مہمانوں کے سوٹ ٹائی کے برعکس سادہ حلیے میں وہاں کھڑا تھا' اس سوال پہ اسی سادگی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے توقع تھی کہ آپ یہی قطرہ قطرہ سمندر والا جواب دیں گی کیونکہ آپ 'وزیراعظم صاحبہ' لوگوں کو 'انسانوں' کی بجائے ''ووٹرز'' کے طور پہ دیکھتی ہیں۔ کیا بطور ایک لیڈر ہم لوگوں کو ووٹ ڈالنے کو اس لئے کہتے ہیں تاکہ وہ بھاری اکثریت سے اپنی پارٹی کو جتوائیں؟ کیا یہ ووٹرز انسان نہیں' دماغ نہیں' دل نہیں' صرف نمبرز ہیں؟ سوری میم' مگر میں ایسے نہیں سوچتا۔''

وہ افسوس سے کہنے لگا تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔ شگفتگی سے شروع ہوئی گفتگو تناؤ والے ماحول میں ڈھلنے لگی۔ خود صوفیہ بھی چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ مائیک پکڑے اب مجمع کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بعض دفعہ آپ کے ووٹ سے واقعی الیکشن کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کے ووٹ سے امیدواروں کے جیتنے یا ہارنے کے فیصلے نہیں ہوتے لیکن پھر بھی آپ کو ووٹ ڈالنا چاہیے۔ اس لئے نہیں تاکہ سب کے ووٹ مل کے کسی کو جتوا دیں یا کسی کو ہرا دیں بلکہ اس لئے کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ ہر انسان اہم ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ سب کو الگ دماغ' الگ دل اور الگ سوچ دی ہے۔ آپ کو اپنی رائے کی عزت کرنا آنا چاہیے۔ آپ کو اسی لئے ووٹ دینا چاہیے کیونکہ وہ آپ کی آواز ہے' آپ کا احتجاج ہے ۔ آپ 'ایک' ہیں۔ اکیلے ہیں تو بھی ووٹ دیں تاکہ آپ کی اپنی نظروں میں اپنی رائے معتبر ہو جائے۔ آپ کی سوچ کی عزت ہو۔ بھلے آپ کا پسندیدہ' امیدوار نہ جیتے' آپ کو اپنے حصے کی آواز اٹھانی ہے۔ آپ اپنے ووٹ کے لئے جوابدہ ہیں۔ چاہے قطرہ قطرہ مل کے قلزم نہ بھی بنے' چاہے تبدیلی اور انقلاب نہ بھی آئے' مگر آپ کو اپنی آواز کو سستی یا ناامیدی سے دبانا نہیں چاہیے۔''

وہ خاموش ہوا تو ہال میں تالیاں گونجنے لگیں۔ ڈائس کے پیچھے کھڑی صوفیہ ہنوز مسکراتی رہی۔ فاتح نے پھر سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''میرا آخری سوال۔ آپ کی پارٹی کے بہت سے سیاستدانوں کے اوپر کرپشن کے سنگین الزامات ہیں۔ کیا آپ اگلے الیکشن میں پھر سے انہی داغدار دامن والے سیاستدانوں کو ٹکٹ دیں گی؟ اور اگر دیں گی' تو کیوں؟''

''اس سوال کے بھی دو حصے ہیں۔'' وہ مسکرا کے مائیک پہ جھک کے بولی۔ ''اس لئے اول تو میرے آس پاس کوئی مجرم' کوئی کرپٹ سیاستدان ہے نہیں لیکن میرے وہ چند ساتھی جن پہ پچھلی حکومتوں میں سیاسی عناد کے باعث کیسز بنے تھے' ان کی پارٹی کے لئے خدمات ہیں اور وہ electable ہیں۔ آپ کے لئے وہ کرپٹ ہیں' میرے لئے وہ میرے پرانے کارکن ہیں۔ میں ان کو کسی قیمت پہ

پارٹی سے الگ نہیں کروں گی کیونکہ میں فرشتے ڈھونڈ کے نہیں لا سکتی۔سیاست میں شریف اور نیک نام لوگ اسی لئے آنا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہاں اتنا کیچڑ اچھالا جاتا ہے کہ لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں مگر میں چونکہ خود ایماندار ہوں اس لئے میں یہ گارنٹی دے سکتی ہوں کہ اگر اوپر بیٹھا شخص ایماندار ہو تو وہ اپنے سخت قوانین سے نیچے موجود لوگوں کو فرشتہ بننے پہ مجبور کر سکتا ہے۔'' پھر گردن موڑ کے استہزائیہ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔''اور آپ وان فاتح؟ آپ سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کریں گے؟''

''اگر میں سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو شامل کرنے لگوں تو مجھ سے بڑا منافق کوئی نہیں ہوگا' یانگ امت برحرمت۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔''میں اگر باریسن نیشنل کا چیئر مین بنا تو میں اپنے لوگوں سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی کرپٹ شہرت رکھنے والے سیاستدان کو اپنے ساتھ نہیں شامل کروں گا۔میں اس بات کو نہیں مانتا کہ صرف اوپر بیٹھے شخص کا ایماندار ہونا کافی ہے۔نہیں' میم۔گو کہ یہ درست ہے کہ سخت قوانین ہر کسی کو فرشتہ بننے پہ مجبور کر دیتے ہیں لیکن یہ قوانین ممبرز پارلیمنٹ کو بنانے ہوتے ہیں۔لیڈرز جب داغدار دامن والوں کو ساتھ ملاتے ہیں اور اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ وہ اس کرپٹ ٹولے کو بدل دیں گے' تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر کرپٹ آدمی جوان کے ساتھ شامل ہو رہا ہے' وہ اس الحاق کی ایک روز قیمت مانگے گا اور اگر آپ ابھی ان کے اعمال سے صرفِ نظر کر رہے ہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ آپ آگے بھی ان کی بدکاریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے؟ سخت قوانین سارے ملک کو ''تندرست'' کر سکتے ہیں لیکن بیمار دل والے سخت قوانین نہیں بنا سکتے۔آپ کی ٹیم کو معروفاً ایماندار ہونا چاہیے اور میں اسی لئے کبھی کسی معروفاً کرپٹ آدمی کو اپنے ساتھ شامل نہیں کروں گا۔مجھے آپ سے مزید کچھ نہیں پوچھنا' یانگ امت برحرمت۔''

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور وہ شخص بے نیازی سے مائیک کسی ورکر کو پکڑاتا اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔کیمروں کے فلیش چمک رہے تھے۔تیز روشنیاں اس ایک آدمی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں اور ایسے میں ڈائس پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن کو احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں بیک وقت ایک کیمرہ کے فریم میں کھڑے ہو کے ایک ہی طرح کے سوالات کے جواب دے چکے تھے اور یقیناً لوگ اب جوابات کا موازنہ کر رہے ہوں گے۔اور ایسا صرف ایک موقع پہ ہوتا ہے۔

سیاسی debates میں۔

وہ یہاں اس سے جوابات لینے نہیں' اپنے الیکشن کی ڈی بیٹ کرنے آیا تھا۔نہ چاہتے ہوئے بھی صوفیہ رحمٰن نے فاتح رامزل کو پارٹی چیئر مین بنانے میں اپنا کردار ادا کر دیا تھا۔وہ صرف ہزیمت سے بچنے کے لئے اور اس کو لاجواب کرنے کے لئے اسے بولنے کا موقع دے بیٹھی تھی اور فاتح کی ٹیم اس کو بری طرح con کر کے جا چکی تھی۔

جس وقت تک صوفیہ کو یہ جان لیوا احساس ہوا' محفل ختم ہو چکی تھی اور مہمان ریفریشمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

گرینڈ ڈی بیٹ سے اگلے دن سیاسی سرگرمیوں سے تعطیل کا دن تھا۔ وہ خاموشی سے 'بڑے دن' کے انتظار کا دن تھا۔

وہ آرام کا دن تھا۔

ایڈم بن محمد صبح سویرے اٹھ کے اپنے باغیچے میں آیا تو گھاس پہ شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ مرغی اور چوزے ڈربے میں بند تھے' مگر صبح صادق کے ساتھ ہی چوں چوں شروع کر دیتے تھے۔ وہ جمائی روکتا ان کے ڈربے تک آیا اور ایک ڈبے سے خوراک کی مٹھی بھر کے اندر پھینکی۔ پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اور چوں چوں کا بند ہو جانا اس بات کا غماز تھا کہ مرغی اور چوزے ناشتے میں لگ چکے تھے۔

پھر وہ سست روی سے دروازے تک آیا جہاں رول شدہ اخبار گرا تھا۔ نم گھاس کے باعث وہ ذرا گیلا ہو چکا تھا۔ ایڈم نے اسے اٹھایا اور جمائی روکتے ہوئے اس کی تہہ کھولی۔

پہلے صفحے پہ لکھی شہ سرخی جگمگا رہی تھی۔

"The Hong Kong Papers"

اسے صرف یہ چار الفاظ نظر آئے اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ حیرت' خوشی' ایکسائٹمنٹ۔

وہ تیزی سے برآمدے میں آیا اور جلدی جلدی وہ اسٹوری پڑھنے لگا۔

سائمن فوسٹر کے نام سے تحریر کردہ وہ نیوز اسٹوری جو ایک مایہ ناز اخبار میں چھپی تھی' بتا رہی تھی کہ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان دس افراد کے نام کلائیڈ اینڈ لی کے کلائنٹس میں ہیں اور ان میں سرِ فہرست صوفیہ رحمٰن تھی۔

ایڈم کا چہرہ کھل اٹھا۔ مسکراہٹ اتنی گہری ہوئی کہ دانت دکھائی دینے لگے۔

صوفیہ رحمٰن نے کل ہی بہانگِ دہل کسی بھی بیرونِ ملک جائیداد سے انکار کیا تھا اور اب.....اب اس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔ اس نے یہ معلومات تالیہ کو بروقت دی تھیں اور تالیہ نے فاتح کو ہنٹ دیا تھا کہ جلد ہی ایسے انکشافات منظرِ عام پہ آئیں گے۔ ایڈم کو نہیں معلوم تھا کہ یہ آج کی اخبار میں چھپ جائیں گے کیونکہ سائمن نے اس دن کے بعد اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

اور اب وہ اخبار کی زینت بنے تھے۔ وہ خوشی سے جھوم جھوم اٹھا۔ اس نے بالآخران کرپٹ حکمرانوں کو ایکسپوز کر دیا تھا۔ اس نے بالآخر عوام کے سامنے.....

اس نے؟ کس نے؟ ایڈم نے؟

ایک دم جیسے کسی نے اس کے چہرے پہ طمانچہ دے مارا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر گیا اور دوبارہ سے پوری خبر پڑھی۔ پہلی دفعہ حیرت اور جوش سے پڑھی تھی۔

اب دھڑکتے دل اور متلاشی نظروں سے پڑھی۔

''سائمن فوسٹر کو کلائیڈ اینڈ لی کے ایک وسل بلور (مخبر) وکیل نے نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ یہ اہم ای میلز فراہم کی ہیں۔

سائمن فوسٹر کی تحقیق کے مطابق.....

سائمن فوسٹر کی کئی مہینوں کی محنت کے بعد.....

سائمن فوسٹر نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی اپنی تفتیشی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

سائمن فوسٹر بہت عرصے سے اس فرم کے پیچھے لگے تھے اور بالآخر وہ یہ راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے....

سائمن فوسٹر کے تہلکہ خیز انکشافات.....

اخبار اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ ٹکر ٹکر ان الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں کسی ایڈم بن محمد کا نام نہ تھا۔

کلائیڈ اینڈ لی کے وسل بلور (مخبر) وکیل اور سائمن فوسٹر کے درمیان سے ایڈم بن محمد کا نام مکھن سے بال کی طرح نکال دیا گیا تھا۔

ایک چھوٹے tabloid کا صحافی ایڈم بن محمد کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

دس اہم نام اور ان کی ای میلز اس نے بغیر کسی کانٹریکٹ یا ایگریمنٹ کے اس خوش اخلاق گورے صحافی کو دے دی تھیں اور اس نے اس معمولی سے ایڈم بن محمد کو درمیان سے بالکل غائب کر دیا تھا۔

وہ اس کی اسٹوری چرا کے لے گئے تھے۔

وہ بے یقین سا بیٹھا تھا اور اخبار گیلی گھاس پہ گرا بھیگتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

الیکشن کی صبح باریسن نیشنل کے ہیڈ آفس کے لئے ڈھیروں امیدیں، فکر اور تناؤ لئے طلوع ہوئی تھی۔

آفس کے فلور کی مرکزی لابی کے دائیں ہاتھ بنے آفسز وان فاتح کے حمایتوں کے تھے اور لابی کے دوسری جانب دور تک پھیلے کمروں میں حاکمی صاحب کا اسٹاف کیمپیئن پہ کام کرنے میں مصروف تھا۔

لابی دونوں 'ٹیموں' کے درمیان ایک no man's land کا کردار ادا کر رہی تھی اور جیسے جیسے الیکشن قریب آتا گیا، دونوں اطراف کے جوشیلے ورکرز میں تلخ کلامی اور بحث و مباحثہ معمول بن گیا تھا۔ اکثر کیفے میں لنچ کے اوقات میں اسٹافرز اور کارکنوں کی زبانی کلامی لڑائیوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

البتہ الیکشن کے دن دونوں اطراف میں اتنا تناؤ اور پریشانی تھی کہ آج کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

لابی سنسان پڑی تھی اور دونوں فریقین اپنی اپنی طرف ہالز تک محدود تھے۔

بی این کی الیکشن کمیٹی کا آفس اوپر والے فلور پہ تھا جہاں ان کے اینالسٹ اور سپروائزرز ایک کنٹرول روم میں کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے پولنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ بی این کے سارے ملک میں پھیلے رجسٹرڈ ممبرز اپنے موبائل فون سے ووٹ دے رہے تھے اور اسکرینوں کے سامنے بیٹھے نیوٹرل ایمپائر کو ہر ووٹ کا اندراج دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں سافٹ ویئر ایکسپرٹس اور انٹرنیٹ سیکیورٹی کنسلٹنٹ بھی موجود تھے جن کا مقصد بی این کی ویب سائٹ کی مسلسل حفاظت کرنا تھا تاکہ ووٹنگ کا عمل کسی بھی قسم کی ہیکنگ یا مداخلت سے پاک رہے اور رزلٹ ایمانداری سے تیار کیا جا سکے۔

واپس بی این کے مرکزی فلور پہ آؤ تو خاموش پڑی لابی کے دونوں اطراف بنے آفسز کے دروازے بند تھے۔ وان فاتح کے اسٹافرز اور مرکزی راہنما اس وقت کانفرنس ہال میں جمع تھے۔ وہاں گول میز کے علاوہ بھی درجنوں کرسیاں آگے پیچھے پڑی تھیں۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی چل پھر رہا تھا' کسی نے کافی اٹھا رکھی تھی۔ کوئی ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ غرض اتنا شور اور رش تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ خود بھی آج اپنی کیمپئین کی آدھے آستین والی نیلی شرٹ میں ملبوس تھا اور بال ماتھے پہ بکھیر رکھے تھے۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا وہ مسکرا کے دو کارکنوں سے محوِ گفتگو تھا جو اسے پرسوں صوفیہ رحمٰن کے ساتھ کی گئی ڈی بیٹ پہ مبارکباد دے رہے تھے۔

جیسے کہ توقع کی گئی تھی' ڈی بیٹ کی ویڈیو وائرل ہو گئی تھی اور ووٹرز میں بہت پسند کی گئی تھی۔

ان سے بات کرتے ہوئے اس کی متلاشی نظریں کمرے میں دوڑ رہی تھیں اور پھر وہ اسے اس بھیڑ میں نظر آ ہی گئی۔ کونے میں ایک کرسی پہ بیٹھی وہ موبائل پہ بات کر رہی تھی۔ فاتح سے نظر ملی تو مسکرائی اور وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔ یہ ایک طرح کی تسلی تھی کہ ہم جیت جائیں گے۔ ورنہ اندر سے وہ سب فکرمند اور بے چین تھے۔

فون پہ ایڈم تھا اور وہ دبے الفاظ میں اس کو تسلی دے رہی تھی۔

''تمہاری غلطی نہیں ہے' ایڈم۔ خود کو قصوروار نہ ٹھہراؤ۔ مجھے الیکشن سے فارغ ہونے دو' ہم اس سائمن فوسٹر سے نپٹ لیں گے۔ جو بھی ہے' اس خبر نے صوفیہ رحمٰن کو نقصان اور وان فاتح کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ' تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا؟''

''جی' چے تالیہ۔'' وہ بوجھل دل سے بولا۔ ''میں نے صبح ہی کر دیا تھا۔''

''فاتح کے لئے نا؟''

''ظاہر ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''اگر وہ حکومت میں ہوتے تو آج کوئی بھی میری خبریں چرا نہ سکتا۔ اور مجھے ان پہ پورا اعتماد ہے۔''

''گڈ۔'' وہ پورے دل سے مسکرائی اور پھر داتن کو فون ملایا۔ چھوٹتے ہی بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''داتن پدوکا... تم نے ووٹ کاسٹ کیا؟''

''میں اس وقت مولٹن لاوا کیک کھا رہی ہوں۔ دیکھو ذرا' یہ مزیدار چاکلیٹ جو اندر سے ابل ابل کے باہر نکل رہی ہے' اس کا ذائقہ....''

''بات مت بدلو۔ یہ بتاؤ ووٹ کاسٹ کیا؟''

''جی نہیں۔ نہ مجھے کرنے کا شوق ہے۔'' اس نے ناک سکوڑا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''داتن.... ایک اچھی اور ایماندار حکومت کے لئے تمہیں ووٹ کاسٹ کرنا ہوگا۔''

''ہاہا....'' وہ ہنسی۔ ''مگر مجھے تو ایماندار حکومت نہیں چاہیے' میڈم۔ میں تو چور ہوں۔ میں اسی حکومت کے ساتھ خوش ہوں۔ حالات جیسے ہیں' میں ویسے ہی حالات چاہتی ہوں۔''

''ہونہہ۔'' وہ فون رکھنے ہی لگی تھی جب داتن نے پوچھا۔

''تم نے خود ووٹ کاسٹ کیا تالیہ؟ خیر میں شرط لگا سکتی ہوں تم نے ابھی تک خود بھی ووٹ نہیں دیا۔''

یکدم کانفرنس روم کا سارا شور دم توڑ گیا۔ ساری آوازیں بند ہوگئیں۔ وہ اپنی خاموشی میں سن سی بیٹھی رہ گئی۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' آہستہ سے پوچھا۔

''کیونکہ میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم اس سارے شور اور ہنگامے سے دور جا کے کچھ دیر سوچو گی' ایک سچے اور ایماندار ووٹر کی حیثیت سے اور جب تمہیں لگے گا کہ وان فاتح تمہارے ووٹ کا حقدار ہے' تب تم اس کو ووٹ دوں گی۔''

اس نے کال کاٹ دی اور فون پرس میں ڈال کے کھڑی ہوئی۔ اردگرد بیٹھے اور چلتے پھرتے لوگوں کے منہ ہل رہے تھے' مگر آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرنے لگی۔ راستے میں فاتح نے اسے روکا۔ وہ مسکرا کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا ہے نا؟''

وہ اس کے قریب رکی اور مسکرائی۔ پھر چہرہ آگے کو جھکائے دھیرے سے بولی۔

''تالیہ مراد عام ووٹر نہیں ہے جو آئیڈیلزم کا شکار ہوتا ہے اور اپنے لیڈرز کو فرشتہ اور مخالف کو شیطان سمجھتا ہے۔ تالیہ مراد سیاستدانوں کے ساتھ کام کرنے والی ایک لڑکی ہے جو دونوں امیدواروں کی کمزوریوں اور خوبیوں سے واقف ہے۔ میں ایک دنیا کو وان فاتح کو ووٹ دینے کے لئے مائل کرتی آئی ہوں کیونکہ وہ میری جاب تھی۔ لیکن میرا اپنا ووٹ بہت قیمتی ہے۔ وہ میری ذمہ داری ہے جس کے لئے میں خود کو جوابدہ ہوں۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا آپ نے میرا ووٹ earn کیا ہے؟'' مسکرا کے کہتی وہ آگے بڑھ گئی اور وہ گردن موڑ کے تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ شور اور آوازوں کے درمیان شاید اسے تالیہ کی بات ٹھیک سے سمجھ نہیں آئی تھی۔

آفس سے نچلے فلور پہ مال بنا تھا۔ وہ کافی شاپ میں آئی اور اپنی کافی لئے درمیانی میز پہ جا بیٹھی۔ اس نے آج بھی فاتح کے لوگو والی شرٹ نہیں پہنی تھی۔ وہ سفید بلاؤز اور سیاہ اسکرٹ کے ساتھ سیاہ منی کوٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' کسی بھی قسم کی سیاسی چھاپ سے پاک لگ رہی تھی۔

روسٹ شدہ کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ اس نے اایک گھونٹ بھی نہیں بھرا ۔ وہ بس کافی گلاس کو دیکھے جا رہی تھی۔ بہت سے مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے........

وہ عصرہ کی دوست کی حیثیت سے اس سے متعارف ہوئی تھی اور اس نے پوچھا تھا' کہ تاشہ تمہاری زندگی میں کیا اچیومنٹس ہیں' تم کیا کرتی ہو؟ پھر اس نے تالیہ کو اپنی لائبریری میں چھپ چھپا کے جاتے دیکھا تو دونوں کے درمیان تلخی در آئی تھی۔ پھر فاتح نے اس پہ فائل چوری کا الزام لگا ڈالا تو یہ تلخی بے بسی بھرے غصے میں بدل گئی۔ مگر قدیم ملاکہ کے جنگل نے اس سب کو بدل دیا تھا۔ وہ مشکلوں کے ساتھی بن گئے۔ وہ اس کا استاذ' اس کا لیڈر بن گیا۔ وہ آگے چلتا تھا اور راستہ دکھاتا تھا اور وہ پیچھے قدم اٹھاتی تھی۔ اس نے تالیہ مراد کو سچ بولنا سکھایا۔ اس نے تالیہ کو خوف سے آزاد ہونا سکھایا۔ فاتح نے اسے اپنے وعدے نبھانے' اور اپنے قول کو پورا کرنے کا.........سکھایا تھا۔ حاکمی نے اسے کیا سکھایا تھا؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آس پاس کی میزوں پہ بیٹھے لوگوں کو ایک دم مخاطب کیا۔

''کیا آپ لوگوں نے آج بی این کے الیکشن میں ووٹ ڈالا ہے؟''

چند گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی ان سے مخاطب تھی۔

''آپ میں سے کتنے لوگ بی این کے ممبرز ہیں؟'' اس نے جواب نہ ملنے پہ مزید بلند آواز میں پوچھا۔ تین ہاتھ بلند ہوئے۔ باقی لوگ خاموش رہے۔ کچھ واپس پلٹ گئے۔

''مجھے معلوم ہے آپ میں سے بہت سے ممبرز ہیں مگر وہ ووٹ نہیں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کو لگتا ہے کہ سارے سیاستدان ایک سے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی یہی لگتا تھا۔'' وہ میز کے پیچھے سے نکلی اور بولتے ہوئے قدم اٹھاتی کاؤنٹر تک آئی' پھر چہرہ میزوں کی طرف موڑا۔ کسی نے اسے پہچان لیا تھا اور سرگوشی کی تھی۔ (یہ وان فاتح کی کیمپئین مینیجر ہے۔) دیگر لوگ بس کافی پیتے اور اسنیکس کھاتے ہوئے اس کو خاموشی سے دیکھنے لگے تھے۔

''مگر سارے سیاستدان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جیسے سارے ڈاکٹرز ایک جیسے نہیں ہوتے۔ آپ کو وان فاتح کی بہت سی باتوں پہ اعتراض ہوگا' میں جانتی ہوں مگر جب آپ کسی سرجن کے پاس آپریشن کے لئے جاتے ہیں تو کیا اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ وہ سرجن اپنی ذاتی زندگی میں کیسا ہے؟ اس کی شادی' اس کے بچے کیسے ہیں؟ نہیں پڑتا نا؟ کیونکہ آپ کو سرجن کے پروفیشنل کام سے غرض ہوتی ہے۔''

وہ بلند آواز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہر شخص ہر کام میں نہیں اچھا ہوسکتا۔ ذاتی تعلقات ان لوگوں سے بنانے چاہئیں جو کردار اور عادات کے اچھے ہوں مگر' کام' کے لئے ان لوگوں کی مدد لینی چاہیے جو اپنے پروفیشن میں اچھے ہوں۔ وان فاتح اکھڑ ہیں' بے نیاز ہیں اور کسی حد تک لاپرواہ بھی ہیں مگر اپنے پروفیشن میں وہ ''کیئرنگ اور لونگ فیملی مین'' ٹائپ لوگوں سے زیادہ اچھے ہیں۔ سیاستدان کا کام ہوتا ہے قانون بنانا۔ اور عوام کے پیسے کی حفاظت کرنا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ یہ دونوں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے سچ بولنا سکھایا ہے' وعدوں پہ عمل کرنا سکھایا ہے۔ میں ان کو ووٹ دینے جا رہی ہوں۔ ابھی بھی پولنگ میں آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ آپ بھی ووٹ دیں کیونکہ یہ آپ کے اپنے لئے ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا اور اسکرین کو روشن کرتی آگے بڑھ گئی۔

اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب وہ جیا کے چائے خانے میں کھڑے ہو کے لوگوں کو فاتح کی مدد کے لئے بلا رہی تھی۔ آج وہ جدید ملائیشیاء کی کافی شاپ میں وہی کام کر رہی تھی۔

تو یہ طے تھا کہ ان دونوں نے ساتھ رہنا تھا اور ہمیشہ رہنا تھا۔ کوئی چیز' کوئی سازش' کوئی انسان اب ان کو الگ نہیں کر سکتا تھا۔

مطلوبہ بٹن دبا کے........ اپنا ووٹ وان فاتح کے لئے کاسٹ کر کے... وہ ایک دم شانت ہوگئی تھی۔ اس نے برسوں تک اس ملک سے چرایا تھا۔ آج وہ اس ملک کو کچھ دینے جا رہی تھی۔ ایک بہت ملائیشیاء کا خواب بالآخر پورا ہونے جا رہا تھا۔ ایک کھری اور ایماندار حکومت کی طرف پہلا قدم۔

پولنگ ختم ہونے کے گھنٹے بعد رزلٹ آنا تھا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ تالیہ کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا؟ وہ واپس اوپر نہیں گئی۔ نیچے مال میں ہی پھرتی رہی۔

گھنٹہ گزرا تو اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے فون سائیلنٹ کر دیا۔ ہار یا جیت' وہ کوئی کال نہیں اٹینڈ کر سکتی تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ لفٹ سے اوپر کی طرف سفر کرنا آج بہت کٹھن لگ رہا تھا۔ بدقت بوجھل قدم اٹھاتی وہ اوپر واپس آئی۔ لفٹ کے دروازے کھلے تو سامنے لابی کا منظر نمایاں ہوا۔

چند کارکن ایک طرف منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ اور چند سامنے ٹولی کی صورت خوشی سے گلے مل رہے تھے۔ اداس کارکن.... خوش کارکن.... کون فاتح کا تھا؟ کون حاکمی کا تھا؟ وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ بس تیزی سے اپنے کانفرنس روم کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک قدم.... پانچ قدم.... دس قدم....

اندر وہی شور مچا تھا۔ ٹی وی اسکرینز روشن تھیں اور تمام لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان لوگوں میں گھرے فاتح بن رامزل کو دیکھا اور اسی پل فاتح نے اسے دیکھا تھا۔

وہ مسکرایا اور سر کو خم دیا۔

تالیہ مراد کا سانس تھم گیا۔سارے شور میں چند آوازیں بے حد نمایاں تھیں۔

''وان فاتح الیکشن جیت گئے۔''

''ساڑھے بارہ ہزار ووٹس کی لیڈ سے ہم الیکشن جیت گئے۔''

''وان فاتح بی این کے نئے چیئر مین ہیں۔''

''وان فاتح اگلے وزیرِ اعظم.....''

وہ ایک دم نڈھال سی ایک کرسی پہ گر گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ایک طویل خوفناک سفر تمام ہوا تھا اور اس سفر کی ریاضتیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔وہ لوگوں میں گھرا تھا۔اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا مگر تالیہ کے لیے بس اس کی مسکراہٹ ہی کافی تھی۔

اب آرام کا وقت تھا۔

اب خوشی منانے کا وقت تھا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد......

حالم کا بنگلہ صبح کی چمکیلی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔رات بارش خوب برسی تھی اس لئے گھاس ابھی تک گیلا تھا۔پراسیکیوٹر صاحب نے سراہتی نظروں سے اس خوبصورت بنگلے کو دیکھا اور پھر گھنٹی پہ ہاتھ رکھ دیا۔

دروازہ چند لمحے بعد ہی کھل گیا۔

باہر آنے والی لڑکی تصویروں سے زیادہ خوبصورت تھی۔اس نے گلابی رنگ کا باجو کرنگ پہنا تھا اور کندھے پہ اسٹول ڈال رکھی تھی۔سنہرے بال گھنگریالے کر کے چہرے کے ایک طرف پڑے تھے۔موتیوں کی لڑی گردن سے چپکی تھی اور چہرے پہ ہلکا پھلکا سا میک اپ نظر آتا تھا۔انگلی میں بیش قیمت سرخ آنسو والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

''آیئے۔اندر آیئے۔'' وہ خوشدلی سے مسکرا کے کہتی ان کو اندر لے آئی۔

''امید ہے میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا ہوگا۔'' احمد نظام چاروں اطراف کا بغور جائزہ لیتے اس کے پیچھے آئے۔اندر بڑا سا لاؤنج تھا جس کے ایک طرف زینہ اوپر جاتا دکھائی دے رہا تھا اور دوسری جانب اوپن کچن تھا۔

''ارے نہیں۔میں بس متجسس ہوں کہ آپ کو مجھ سے ملنے کی نوبت کیوں پیش آئی۔'' وہ خود بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھ گئی تو سامنے بیٹھتے ہوئے احمد نظام نے دیکھا' وہ کہنی صوفے کے ہتھ پہ جمائے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹنے لگی تھی۔اس کے انداز میں

کچھ شاہانہ سا تھا جو عام لڑکیوں سے مختلف تھا۔

''آپ پبلک پرسنالٹی بنتی جا رہی ہیں' چے تالیہ۔ کچھ سوال میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے جن کا جواب دینے کے لئے آپ کو زحمت دینا چاہتا تھا۔''

''تو آپ مجھے بلا لیتے نا۔''

''میں نے آپ کے گھر کی بڑی تعریف سنی تھی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ ماشاءاللہ بہت خوبصورت گھر ہے۔ کتنے کا لیا تھا؟''

صوفے پہ بیٹھی لڑکی مسکرائی۔ ''اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں تو میں گھر کے کاغذات لے آتی ہوں۔ پچھلا پورا مہینہ میں سیاسی کاموں میں بزی رہی تو ٹھیک سے صفائی بھی نہیں کروا سکی۔''

''نہیں میں دل سے تعریف کر رہا تھا۔ confucius کہتا تھا کہ کسی انسان کا گھر دیکھ کے میں اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔''

''آپ confucius جیسے ہیں کیا؟''

وہ ہلکے سے ہنس دیے۔ ''نہیں مگر میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ کا سورس آف انکم کیا ہے۔''

''میں ایک پینٹر ہوں۔ اپنی پینٹنگز آن لائن بیچتی ہوں۔ اس سے میں نے یہ سب بنایا ہے۔ میرے پاس سارا منی ٹریل' بینک ڈاکومنٹس اور ٹیکس ریٹرن موجود ہیں۔''

''وہ سب میں نے دیکھے ہیں چے تالیہ۔ لیکن اکثر منی لانڈرنگ کرنے والے بھی اسی طرح اپنے بلیک پیسے کو وائٹ کرتے ہیں۔ فرضی پینٹنگز' فرضی سیلز۔''

''میں منی لانڈرر نہیں ہوں۔''

''تو آپ کیا ہیں؟'' اس سوال پہ وہ ہلکا سا ہنسی۔

''میں تالیہ ہوں۔''

''اور تالیہ صاحبہ مجھے یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ایک مصروف سوشلائیٹ اور پینٹر جس کے پاس اتنی دولت ہے' وہ کسی ریستوران میں بطور ویٹرس کام کرے۔'' وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھ کے بولا۔ تالیہ نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کہیں ویٹرس بن کے کام کرتی رہی ہوں؟''

''آپ اس بات سے انکاری ہیں؟''

''چچ چچ۔'' لڑکی نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''آپ کے انویسٹی گیٹر نے میرے بارے میں نامکمل معلومات دی ہیں آپ کو۔''

"یعنی آپ انکار کر رہی ہیں کہ آپ ویٹرس بن کے...."

"صرف ویٹرس؟ چچ چچ۔ میں تو سوئپر بھی رہی ہوں۔ لانڈری بھی کی ہے۔ لائبریرین بھی تھی۔ ایک جگہ تو میں جمناسٹک بھی کرتی تھی۔ ایک چڑیا گھر میں پرندوں کو کھانا کھلانے کا کام بھی کیا ہے۔ چند ایک لوگوں کے گھر میں کک بھی رہی ہوں اور کسی کی ہاؤس کیپر بھی تھی۔ ایک دفعہ میں سوئمنگ ٹیچر بھی بنی تھی اور ایک دفعہ رائفل شوٹنگ کوچ۔ میں آپ کو ان لوگوں کے نام دے دیتی ہوں جہاں میں نے کام کیا ہے۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔"

پراسیکیوٹر احمد نظام کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ بالکل لاجواب سے ہو گئے تھے۔

"تو.... آپ نے اتنی دولت ہونے کے باوجود یہ سب کام کیوں کیے؟"

"پہلے آپ مجھے یہ بتائیں پراسیکیوٹر صاحب..." وہ آگے کو ہوئی اور سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں جھانکا۔ "قانون میں کہاں لکھا ہے کہ اتنی ساری جابز کرنا جرم ہے؟ میں نے تو ہر جگہ اپنا نام تالیہ ہی بتایا۔ میں نے کسی سے غلط بیانی بھی نہیں کی۔ تو پھر مسئلہ کیا ہے؟"

پراسیکیوٹر صاحب اب پتلیاں سکوڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

"بالکل۔ یہ جرم نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب ہے۔ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟"

"ارے واہ.... اتنے سالوں بعد کسی نے مجھ سے یہ سوال پوچھا ہے۔" وہ چہک اٹھی۔ پھر کھڑی ہوئی اور کچن تک گئی۔ کیبنٹ کھول کے ایک کتاب نکالی اور واپس آ کے اس کے سامنے میز پہ رکھی اور اپنی جگہ پہ بیٹھی۔

"یہ کتاب پڑھی ہے آپ نے؟"

انہوں نے نظریں جھکا کے دیکھا۔ "بنگا راملایو؟ جی ہاں۔ اسکول میں پڑھی تھی۔"

"کیا آپ کو سنہرے بالوں والی شہزادی تاشہ کا حلیہ یاد ہے؟ بادامی شکل کی آنکھیں، ستواں ناک، ابھری ہوئی گال کی ہڈی، اور بیضوی فیس کٹ۔ اب مجھے دیکھیں اور بتائیں کہ کیا آپ reincarnation پہ یقین رکھتے ہیں؟"

احمد نظام نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ "سات جنموں پہ؟ ہرگز نہیں۔ میں مسلمان ہوں۔"

"مگر مجھے لگتا ہے کہ میں شہزادی تاشہ کا دوسرا جنم ہوں۔"

"ملاکہ سلطنت کی شہزادی تاشہ.... آپ کو لگتا ہے کہ آپ وہ ہیں؟"

"ہوں۔" لڑکی نے پلکیں جھپکائیں۔ "صرف وہی کر سکتی تھی یہ سارے کام۔ کھانا پکانا، سلائی کڑھائی، جنگی امور، اور پھر.... وہ سلطان کی مشیر بھی مقرر ہوئی تھی۔ اب مجھے دیکھیں۔ کیا میں یہ سب نہیں کر سکتی؟ کیا میں نے وان فاتح کو الیکشن نہیں جتوایا؟"

پراسیکیوٹر صاحب غور سے اسے دیکھنے لگے۔ کیا وہ لڑکی کسی obsessed قسم کی سائیکو پیتھ ہونے کی اداکاری کر رہی تھی؟ یا وہ

واقعی سائیکو پیتھ تھی؟ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

''میرا ہر عمل شہزادی تاشہ کے اعمال کا مرر امیج ہے۔ میں سچے خواب بھی دیکھتی ہوں اور ان جگہوں پہ جا کے کام کرتی ہوں جہاں سے مجھے انسپریشن ملتی ہے۔ پھر میں پینٹنگز بناتی ہوں۔ بظاہر میں ایک آرٹسٹ ہوں' سر' لیکن آپ نے پوچھا ہے تو بتا رہی ہوں کہ اپنے نزدیک میں شہزادی تاشہ کی reincarnaion ہوں۔'' پھر اس نے ٹیک لگا لی اور مسکرا کے پوچھا۔ ''کچھ اور جاننا ہے آپ نے؟''

''اونہوں۔ اتنا بہت ہے۔ امید ہے آپ نے سارے سوالات کے جوابات سچ بتائے ہوں گے۔''

''میں نے سب سچ کہا ہے' سر۔'' وہ مسکرائی۔

''بس ایک آخری سوال!'' وہ اٹھے اور پوچھنے لگے۔ ''آپ نے کوئی میڈ وغیرہ نہیں رکھی؟ آپ کے گھر کا کام کون کرتا ہے۔''

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔ تالیہ ذرا سا چونکی۔ ''میں خود کرتی ہوں۔ صفائی' ڈسٹنگ' سب کچھ۔''

''اوکے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرائے اور جانے کے لئے اجازت چاہی۔ تالیہ نے انہیں نہیں روکا۔ بس گھنگریالی لِٹ انگلی پہ لپیٹتی سوچتی نظروں سے انہیں جاتے دیکھتی رہی۔

باہر اپنی کار میں وہ بیٹھے ہی تھے کہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے انویسٹی گیٹر نے بے چینی سے پوچھا۔ ''کیسی رہی ملاقات؟''

''لڑکی نے اچھی کہانی بنائی۔ خود کو obsessed قسم کی سائیکو پیتھ ظاہر کیا۔ انسپریشن لینے کے لئے وہ یہ جابز کرتی تھی اور اس کو تمام قوانین کا بھی علم تھا کہ امیر ہو کے جاب کرنا جرم ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے کوئی جاب نہیں چھپائی۔ پیپر ورک بھی اس کے پاس ہے۔ ہم نے اس کے ٹیکس ریٹرن وغیرہ بھی دیکھ رکھے ہیں۔ بظاہر وہ کلین ہے۔''

''تو آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟'' وہ غور سے پراسیکیوٹر کے چہرے کی مسکراتی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔

''اس کے جو پیپرز ہم نے نکلوائے تھے اس میں درج تھا کہ اس کی کوئی نوکرانی نہیں ہے۔''

''تو؟''

''اس نے بھی یہی کہا کہ وہ گھر کا کام خود کرتی ہے۔ اور وہ سچ کہہ رہی تھی۔'' وہ ہنوز مسکرائے جا رہے تھے۔

''اکثر لوگ گھر کا کام خود کرتے ہیں' سر۔''

''اور اسی لئے وہ پچھلا پورا مہینہ گھر سے لاتعلق اور روان فاتح کی مہم میں اتنی مصروف رہی کہ اس نے گھر کی صفائی پہ توجہ نہیں دی۔''

انویسٹی گیٹر نے منہ بنایا۔

''کیا اس کا فرنیچر اتنا میلا تھا جو آپ خواتین کی طرح نقص نکال رہے ہیں؟''

''اونہوں۔ صرف دیواریں.... وہ صاف نہیں تھیں۔ اور ان پہ فریم مارکس تھے۔ دن کی روشنی میں وہ صاف نظر آتے ہیں۔ وہ ان

کی عادی ہوگی اس لئے اسے احساس نہیں ہوا کہ خالی دیواروں پہ بڑی بڑی پینٹنگز کے ڈسٹ مارکس ہیں۔“

”مطلب؟“

”جب کوئی پینٹنگ دیوار پہ آویزاں کی جاتی ہے تو وہ چوکور حصہ گرد سے بچ جاتا ہے۔اس کی دیواروں پہ جگہ جگہ چوکھٹے بنے تھے جن کے اندر دیوار کا پینٹ چمک رہا تھا۔یقیناً اس نے چند ہفتے قبل اپنے گھر سے بہت سی پینٹنگز اتاری ہیں مگر دیواروں پہ جھاڑو پھیرنے کا خیال اسے نہیں آیا۔“

”دیواروں پہ بھی جھاڑو پھیرا جاتا ہے؟“ انویسٹی گیٹر نے جھرجھری لی۔

”اگر تمہاری بیوی میری بیوی جیسی صفائی پسند ہوتی تو وہ تمہیں بتاتی کہ بال بھی شیمپو کیے جاتے ہیں اور پرفیوم بھی لگایا جاتا ہے۔“ وہ ناک سکوڑ کے کار اسٹارٹ کرنے لگے۔ چوٹ اس کے رف حلیے پہ تھی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

”بہر حال....اس سب سے کیا نتیجہ نکلا؟ ہوسکتا ہے اس نے یونہی پینٹنگز اتار دی ہوں۔ یہ بھی جرم نہیں ہے۔“

”ایک لڑکی جو مختلف حلیے اپناتی رہتی ہو' اور جسے آرٹ کی ساری سمجھ ہو' وہ اپنے گھر میں لگی بہت سی پینٹنگز ایک دم سے غائب کر دے...تو وہ صرف ایک چیز ہو سکتی ہے۔“

کار سڑک پہ ڈالتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

“Art thief۔”

انویسٹی گیٹر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے کا لان صبح کی بارش کے بعد سے نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ آج وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی اور سیاہ بادلوں نے آسمان پہ ایسے بسیرا کیا ہوا تھا کہ دوپہر ہونے کے باوجود شام سی لگتی تھی۔ تالیہ نے اپنے لاؤنج کی ساری کھڑکیاں کھول رکھی تھیں۔ بتیاں بجھی تھیں اور اسی قدرتی روشنی میں ان تینوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔

اب وہ لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے۔ تینوں کی کرسیاں برابر رکھی تھیں اور تینوں کے ہاتھوں میں ڈیزرٹ سے بھرے پیالے تھے۔ ایڈم جتنا اداس تھا' تالیہ اتنی ہی خوش تھی۔ داتن البتہ ہمیشہ کی طرح اپنے حال سے مطمئن تھی۔

”اب تم کب تک آفس نہیں جاؤ گی؟“ داتن نے جھک کے پرس سے دوا کی ڈبی نکالتے ہوئے پوچھا۔

”بھئی ہم الیکشن جیتے ہیں۔ اتنی محنت کے بعد۔ یہ پورا ہفتہ فاتح صاحب اور عصرہ بیگم نے مبارکبادی پارٹیز میں گزار دیا ہے۔ اگلا ہفتہ بھی ایسے ہی گزرے گا اس لیے میں نے پندرہ دن کی چھٹی لے لی تھی۔ یہ تم کس چیز کی دوا لے رہی ہو؟“

اس کو گولیاں پھانکتے دیکھ کے چونکی۔

''یہ اینٹی ڈپریشن ہیں، مادام جو میری عمر میں آ کے لینی پڑتی ہیں۔'' داتن پدوکا لاپرواہی سے بولی اور ٹی وی کو دیکھنے لگی۔

''ہونہہ۔ میرے بابا تو نہیں لیتے تھے۔ وان فاتح تو نہیں لیتے۔ ہر کسی کو نہیں لینی پڑتیں۔ مگر جو لوگ ووٹ نہیں دیتے ان کو تو ڈپریشن ہو گا نا۔'' اور سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگی۔ دفعتاً ایڈم پہ نظر پڑی تو گہری سانس لی۔

''تم کیا مجنوں بنے بیٹھے ہو؟ اب بس کردو افسوس کرنا۔ ہم سائمن فوسٹر سے ڈیل کرلیں گے۔''

''مجھے اس طرح ان کو وہ چیزیں دینی ہی نہیں چاہیے تھیں۔'' ایڈم ابھی تک افسوس کر رہا تھا۔ اس کا ڈیزرٹ پگھل پگھل رہا تھا اور وہ بے توجہی سے اندر چمچ ہلا رہا تھا۔

''بس کردو خود کو الزام دینا' ایڈم۔'' داتن نے برا سا منہ بنایا۔ ''میں نے تمہیں اس صحافی سے ملوایا تھا۔ میں تو خود کو نہیں ملامت کر رہی۔ تم بھی دل چھوٹا نہ کرو۔''

''حالانکہ جو لوگ ووٹ نہیں ڈالتے انہیں خود کو ملامت کرنا چاہیے۔'' تالیہ اس دن سے اس پہ بات بات پہ چوٹ کرتی تھی مگر داتن برا مانے بغیر مسکراتی رہتی۔

''ہاں تم ووٹ ڈالنے والوں کو بھی جلد آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔''

مگر ایڈم منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔ کوئی بھی چیز اس کے دل کو تسلی نہیں دے سکتی تھی۔ تالیہ اور داتن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر تالیہ بچوں کو پچکارنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

''دیکھو ایڈم... فی الوقت تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ وان فاتح الیکشن جیت گئے ہیں۔ ان کے خواب پورے ہونے جا رہے ہیں۔ اب ہم حکومتی پارٹی میں ہوں گے۔ ہم سائمن جیسے اسکامرز کا راستہ روک سکیں گے۔''

ایڈم نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''میں خوش ہوں' چے تالیہ مگر..''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ آج ہم سب باہر ڈنر کرتے ہیں اور سیلیبریٹ کرتے ہیں۔ اف میں اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔'' وہ گویا جھوم جھوم جانا چاہتی تھی۔ ''مجھے آخری لمحے تک دھڑکا لگا تھا کہ ہم ہار جائیں گے مگر ہم نہیں ہارے۔ سچ کی جیت ہوئی۔ سب اتنا اچھا جا رہا ہے۔ تم اب تو اداس نہ ہو۔'' وہ بہت امید، بہت خوشی سے کہہ رہی تھی جب داتن نے ٹوکا۔

''وہ... تمہارا وان فاتح آ رہا ہے ٹی وی پہ۔''

تالیہ نے مسکرا کے اسکرین کو دیکھا اور آواز اونچی کی۔

''چیئرمین وان فاتح کہو۔ مگر او ہ سوری۔ تم نے تو ووٹ ہی نہیں ڈالا تھا۔''

مگر داتن نے جواب نہیں دیا۔ وہ آگے ہو کے غور سے اسکرین پہ چلتی خبر دیکھنے لگی۔

''تازہ اطلاعات کے مطابق باریسن نیشنل کے نئے چیئر مین وان فاتح نے اپنی پارٹی میں ایل اے پی کے اتحاد کو خوش آمدید کہا ہے۔ ابھی ابھی ایل اے پی کی مرکزی قیادت کی وان فاتح سے بی این کے ہیڈ کوارٹرز میں ملاقات ہوئی ہے جس میں انہوں نے بی این میں باقاعدہ شمولیت کا اعلان کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ ایل اے پی کے مرکزی قائدین میں امیر الدین بداوی' گیک چانگ اور ہشام جرجیس بھی شامل ہیں جن پہ کرپشن کے بڑے بڑے مقدمات درج ہیں اور جو کچھ عرصہ پہلے تک وزیر اعظم صوفیہ رحمٰن کے ساتھ تھے اور اسی وجہ سے وہ کرپشن مقدمات کا سامنا کرنے سے بچے رہے تھے۔ ناظرین کو یاد کرواتے چلیں کہ ابھی چند دن پہلے وان فاتح نے صوفیہ رحمٰن سے ایک غیر رسمی مباحثے کے دوران قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بری شہرت والے کرپٹ سیاستدانوں کو کبھی بھی پارٹی میں شامل نہیں کریں گے لیکن ہانگ کانگ پیپرز کے بعد صوفیہ رحمٰن کی کمزور ہوتی پوزیشن اور تازہ تازہ ملی چیئر مین کی سیٹ نے وان فاتح کو ان کا پہلا وعدہ توڑنے پہ مجبور کر دیا ہے۔''

نیوز کاسٹر بلند آواز میں مسکراتے ہوئے پڑھ رہی تھی اور حالم کے بنگلے میں سناٹا چھا گیا تھا۔

''یہ... غلط خبر ہے شاید۔'' تالیہ کی آنکھیں اسکرین پہ جمی تھیں۔

''چے تالیہ... وہ تصویریں دکھا رہے ہیں۔ وان فاتح ان لوگوں سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ یہ تو واقعی ہشام جرجیس ہے۔ بدنام زمانہ ہشام جرجیس۔'' ایڈم کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔ مگر تالیہ نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

''میڈیا باتوں کو بڑھا دیتا ہے۔''

''مگر یہ ملے چینل نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی چینل ہے۔ اور یہ بی این کا آفس ہی لگ رہا ہے مجھے۔ مگر وان فاتح نے تو وعدہ کیا تھا کہ...'' ایڈم دنگ تھا۔

اور اسی پل داتن کا قہقہہ سارے میں گونجا۔ تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جا رہی تھی۔

''ہاہاہا...'' اس نے بدقت چہرہ سیدھا کر کے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا۔ ''ہاں بھئی... ووٹ ڈالنے والو... بن گیا تمہارا بہتر ملائیشیا؟ کر دیے وان فاتح نے سارے وعدے پورے؟''

ایڈم ہکا بکا سا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اور تالیہ... اس کی نظریں تصویروں میں دکھائی دیتے فاتح کے ہاتھوں پہ جمی تھیں جو جرجیس جیسے بدنام زمانہ آدمی کے ہاتھ سے مصافحہ کر رہے تھے۔

داتن ہنستی جا رہی تھی۔

''تم دونوں ابھی تک نہیں سمجھے؟ ارے یہ سب ایک con تھا۔ الیکشن سب سے بڑا con game ہوتا ہے۔ تم ووٹرز کو لگا کہ

ووٹ ڈالنا تمہارا آئیڈیا تھا۔ تم اپنی مرضی سے ووٹ ڈال رہے تھے؟ نہیں بے وقوفو۔ اگر ووٹ سے تبدیلی آنی ہوتی تو یہ لوگ الیکشن کو ختم کر چکے ہوتے۔ یہ سارے سیاستدان کون آرٹسٹ ہیں۔ اسکامرز ہیں۔ انہوں نے تمہارے ساتھ کانفیڈینس گیم کھیلا ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ اعتماد کس چیز پہ تھا؟ اپنے خوابوں کے پورا ہونے پہ۔ انہوں نے تمہارے لالچ کو استعمال کیا۔ تم نے ووٹ خود نہیں ڈالا۔ انہوں نے تم سے ڈلوایا ہے۔ اور ہر con کے آخر میں ایک اچھے 'کون مین' کی طرح یہ سیاستدان کی ایگزٹ تھی۔ ایسی ایگزٹ جس کے بعد ٹارگٹ کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ ہاتھ ملتا رہتا ہے اور اسے تب احساس ہوتا ہے کہ وہ بے وقوف بن گیا۔ کیونکہ سیاستدان نے ''ڈیل'' کر لی۔ اسے اگلا الیکشن جیتنے کے لیے ہشام جر جیس جیسے لوگوں کا ساتھ اور پیسہ چاہیے۔ ایڈم اور تالیہ جیسے لوگوں کے خواب نہیں۔'' پھر وہ جھکی اور بوتل سے دو گولیاں نکال کے ان کے سامنے میز پہ رکھیں۔

''تم دونوں کو اس وقت ان کی ضرورت ہے۔'' اور ایک دفعہ پھر سے ہنسنے لگی۔

''انہوں نے ملاکہ میں بھی یہی کیا تھا۔ انہوں نے مراد راجہ کے ساتھ ڈیل کر لی تھی۔'' ایڈم کھویا کھویا سا بولا۔

تالیہ ایک دم اٹھی۔ کار کی چابی اٹھائی اور دروازے کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ایڈم پیچھے جانے لگا تو داتن نے اسے روکا۔

''اسے اپنے لیڈر سے خود بات کرنے دو۔ آنکھوں کی پٹی اور چہرے کے نقاب کو اترنے دو۔ وہ اپنے لیڈر کی ہار اور جیت دونوں کے لیے تیار تھی۔ لیکن کسی کو چاہیے کہ وہ ووٹرز کو تیسرے منظر نامے کے لیے بھی تیار کر دیا کرے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''اگر لیڈر جیت کے بھی اصول ہار دے تو پھر کیا کرنا چاہیے... وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔''

ایڈم آہستہ سے واپس بیٹھا۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

چیئرمین کا آفس ان کے پرانے آفس سے اوپر والے فلور پہ تھا۔ اس کے باہر ایک چھوٹا سا آفس سیکرٹری کا بھی بنا تھا جو اس وقت خالی تھا۔ تالیہ کی چھٹی کے پیش نظر ادھر آج کل فاتح کا باڈی مین بیٹھتا تھا۔ چیئرمین آفس اندر سے بے حد وسیع اور پر تعیش تھا۔ اس کی مرکزی کرسی اونچی اور سبز رنگ کی تھی۔ فاتح بن رامزل اسی کرسی پہ بیٹھا' میز پہ رکھی فائل دیکھ رہا تھا جب دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ سادہ فراک پہ گردن میں اسٹول کی بکل مارے' بالوں کی رف سی پونی بنائے گلابی تمتماتے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ فاتح نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''آؤ تاشہ۔ یہ لڑکا بالکل اچھی کافی نہیں بناتا۔ شکر ہے تم نے اپنی چھٹی ختم کی۔''

وہ لب بھینچے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ نظریں اس کے چہرے پہ گڑی تھیں۔

''میں نے ابھی ابھی نیوز دیکھی۔ آپ نے ایل اے پی سے اتحاد کرلیا۔ یہ کب ہوا؟'' اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''ہاں وہ...'' فاتح نے فائل کا صفحہ پلٹایا اور عینک اتار کے رکھی۔ ''ان کے ساتھ اتحاد ضروری تھا۔ الیکشن میں صرف ایک سال پڑا ہے اور سبا کی ریاست سمیت بہت سی جگہوں پہ ان کے بغیر ہم نہیں جیت سکتے۔''

''آپ نے ایل اے پی سے اتحاد کرلیا؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ ''ہشام جرجیس جیسے کرپٹ لوگوں سے؟''

''ریلیکس۔ اتنی پریشان نہ ہو۔ پارٹی کے پاس پیسے نہیں ہیں اور ہمیں ان کی حمایت چاہیے۔'' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے بولا۔ ''جیسے تم نے اشعر کے پیسوں سے میرے الیکشن کو فنڈ کیا تھا' اسی طرح ہم ان کے پیسوں سے بی این کے الیکشن کو فنڈ کریں گے۔''

''اشعر انتہائی خبیث آدمی ہے لیکن اس نے کرپشن کر کے دولت نہیں بنائی' سر۔ رشوت کھاتا ہے' منی لانڈرنگ بھی کرتا ہے لیکن اس نے عوام کا پیسہ... ٹیکس کا پیسہ کبھی نہیں کھایا کیونکہ وہ عوامی عہدے پہ نہیں رہا۔ اور تالیہ مراد نے کبھی لوگوں سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ اشعر سے مدد نہیں مانگے گی۔'' وہ غصے میں کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے اسٹیج پہ کھڑے ہو کے.... لوگوں کو گواہ بنا کے کہا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے اور آپ نے انہیں پارٹی میں ہی شامل کرلیا۔''

فاتح نے گہری سانس لے کر ٹیک لگائی۔ ''اچھا اگر میں ایسے لوگوں کو نہ لوں تو کیا کروں؟ الیکشن ہار جاؤں؟ ساری عمر اپوزیشن میں بیٹھوں؟ تمہارے خیال میں وزیراعظم کا الیکشن جیتنے کے لیے یہ نہ کروں تو کیا کروں؟''

''میرا خیال جو بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا' فاتح صاحب۔'' وہ ہتھیلیاں میز پہ رکھے جھک کے غرائی تھی۔ ''آپ کے خیالات سے فرق پڑتا ہے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کے صوفیہ رحمٰن کی بات کو رد کیا تھا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا۔ مگر اب آپ وہی کر رہے ہیں جو صوفیہ کرتی آئی ہے۔ ہشام جرجیس جیسے لوگ کرپٹ لوگ ہیں' سر۔''

''اول تو اس پہ کوئی کرپشن ابھی تک ثابت نہیں ہوئی۔ دوسری بات...''

تالیہ نے زور سے بند مٹھی میز پہ رکھی۔

''اب آپ اس کو ڈیفینڈ بھی کریں گے؟'' وہ بے یقینی سے دبا دبا سا چلائی۔ ''کیا کرسی اور اقتدار ایسے انسان کو بدل دیتی ہے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ کرپٹ ہے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کسی بری شہرت والے کو پارٹی میں نہیں لیں گے۔''

''وہ... ایک... کیمپئین پرامس تھا۔'' وہ غصے سے سیٹ سے اٹھا اور غرا کے بولا۔

تالیہ کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور تو جب سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جب آپ وہ وعدہ کر رہے تھے تو آپ کو معلوم تھا کہ آپ اسے پورا نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے وہ وعدہ کیوں کیا؟ آپ لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟''

''لوگ ایک ہفتے میں بھول جایا کرتے ہیں۔ لوگوں کو ہر بات سمجھ نہیں آتی۔'' اس نے غصے سے ہاتھ جھلا کے کہا۔ ''کارکن کارکن ہوتا ہے اور چیئر مین چیئر مین۔ میں اس سیٹ پہ اس لیے ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے اس سانپ سیڑھی کے کھیل کو کیسے کھیلنا ہے۔ کچھ کمپرومائز کرنے پڑتے ہیں۔''

''تو پھر مجھے کیوں برا بھلا کہا تھا جب میں ابوالخیر کے پیسے لائی تھی آپ کو چھڑوانے کے لیے؟'' وہ زور سے چلائی۔

''پھر مجھے کیوں کہا تھا کہ میں جھوٹی ہوں' کون آرٹسٹ ہوں' چور ہوں؟ مجھے کیوں کہا تھا کہ مجھے خود کو بدلنا ہے؟ اگر آپ نے ان چوروں کے ساتھ مل ہی جانا تھا تو مجھے کیوں سچ بولنا سکھایا تھا؟ مجھے کیوں اصول اور اخلاقیات سکھائے تھے؟ میں نے اپنی زندگی تباہ کر دی آپ کی اس... اس جاب میں... میرے پیچھے پراسیکیوٹرز پڑ گئے صرف اس لیے کہ میں آپ پہ یقین کرتی آئی اور آخر میں آپ نے وہی کیا جو آپ نے ملاکہ میں کیا تھا۔ آپ نے وہاں بھی میرے باپ سے ڈیل کی تھی۔ آپ کو وہاں بھی معلوم تھا کہ وہ صندوق غلاموں کو نہیں دینے۔ آپ نے شروع سے انہیں مراد راجہ کو واپس کرنے کی پلاننگ کی تھی۔ آپ میرے جیسے لوگوں کو اسکامرز کہتے تھے۔ تو آپ خود کیا ہیں؟ آپ سیاستدان کیا ہیں؟'' صدمے اور غصے سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''کیئرفل!'' فاتح نے ہاتھ اٹھا کے سختی سے اسے روکا۔ ''تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو اس لیے پتہ نہیں کیا بولے جا رہی ہو۔ یہاں مجھ پہ چلانے کے بجائے گھر جاؤ اور آرام کرو۔''

''اوہ۔ یعنی اگر میں یہاں آپ پہ چلاؤں گی تو آپ مجھے نوکری سے فائر کر دیں گے؟'' وہ غصے سے بولی۔

''تاشہ... تم واقعی...''

''چیئرمین صاحب...!'' اس نے پھر سے میز پہ ہاتھ مارا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے چبا چبا کے بولی۔

''میرا نام تالیہ ہے۔

میں مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔

میں اپنے باپ کی شہزادی ہوں۔

اور آپ... آپ وانگ لی کے غلام ہیں۔

میں سمجھی تھی میں نے آپ کو آزاد انسان بنا دیا تھا مگر آپ اب بھی غلام ہی ہیں۔

آپ کیا فائر کریں گے مجھے؟

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے باس کے عہدے سے۔

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے چیئر مین کی کرسی سے۔

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے لیڈر کے مقام سے۔

آپ آج سے میرے لیڈر نہیں ہیں۔

آپ نے ایک con woman کو con کرنے کی غلطی کی ہے۔

اور اب میں آپ کو وزیر اعظم بننے نہیں دوں گی۔

میرا نام یاد رکھیے گا۔

میں تاشہ نہیں ہوں۔ میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔"

وہ اس پہ غراتے ہوئے آگے بڑھی، اور ملکہ کے سے انداز میں ہاتھ مار کے اس کی میز سے چیزیں گرا دیں۔ وہ ماتھے پہ بل لیے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کچھ کہا نہیں، ضبط کر گیا۔ وہ مڑی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

☆......☆......☆

وہ کافی دیر تک واپس نہیں آئی تو ایڈم اٹھ کے لاؤنج میں دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔ وہ فون لے کر نہیں گئی تھی اس لیے اس سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"پتہ نہیں وہ کہاں ہوں گی۔ ٹھیک بھی ہوں گی یا نہیں۔"

"اوہ ہیرو... یہ مت سمجھو کہ وہ خود کو ٹرین کے نیچے دے دے گی۔ وہ تالیہ ہے۔ اس سیاستدان کو کھری کھری سنا کے، اس کی ایک آدھ چیز توڑ کے ہی آئے گی۔" داتن اب صوفے پہ بیٹھی کسی دوسری قسم کا ڈیزرٹ کھا رہی تھی۔ اس ساری صورتحال سے سب سے زیادہ خوش وہی تھی۔ ایڈم نے رک کے خفگی سے اسے دیکھا۔

"یہ کوئی اچھی بات ہو گی کیا؟"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے اس میں۔ تم لوگوں نے اسے ووٹ دے کر بنایا تھا چیئر مین۔ اب خود بھگتو۔" اور چاکلیٹ سے بھرا چمچ منہ میں رکھا۔ وہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"وہ کیا کہیں گی ان سے؟"

"اسے سو طریقے آتے ہیں ان بادشاہوں سے بات کرنے کے۔ سلطان مرسل شاہ کو اس کے سوالوں نے لاجواب کر دیا تھا نا۔

بنداہارا فاتح کیا چیز ہے۔'' وہ اب چمچ سے پیالے میں رکھا ویفر توڑ رہی تھی۔

''ہوں۔ واقعی۔'' ایڈم کمر پہ ہاتھ باندھے پھر سے ٹہلنے لگا۔ دفعتاً وہ رکا اور اچھنبے سے داتن کو دیکھا۔

''کون سے سوال؟''

''ہوں؟'' وہ مگن سے کھا رہی تھی۔

''چے تالیہ کے کون سے سوالات نے مرسل شاہ کو لاجواب کر دیا تھا؟''

داتن نے اسے گھور کے دیکھا۔'' وہ شہزادی تاشہ کے سات سوال جو اس نے مرسل شاہ کے سامنے رکھے تھے شادی کی شرط کے طور پہ۔ خود لکھی تھی تم نے بنگارا یا ملایو۔ خود ہی بھول گئے ہو۔''

ایڈم الجھ کے اسے دیکھنے لگا۔

''شہزادی تاشہ نے تو کوئی سوال نہیں رکھا تھا۔ وہ تو بس غائب ہوگئی تھیں۔''

''ارے یار... وہ رکھی ہے بنگارا یا ملایو۔'' کچن کی میز کی طرف اشارہ کیا۔''ہم نے تو بچپن میں امتحان کے لیے ان سوالات کا رٹا بھی لگایا تھا اور تمہیں خود نہیں یاد۔'' برا سا منہ بنا کے وہ کھانے لگی۔

ایڈم بجلی کی تیزی سے میز تک گیا اور کتاب اٹھائی۔ پھر جلدی سے فہرست کھولی۔

''کون سے باب میں تھے وہ سوالات جو...؟'' اس کا سوال ادھورا رہ گیا۔ ابواب کی فہرست پہ پھرتی انگلی ٹھہر گئی۔

فہرست میں پندرہ ابواب کے نام درج تھے۔

ایڈم کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے صرف بارہ باب لکھے تھے۔

شاید بعد میں بارہ ابواب کے پندرہ بنا دیے گئے ہوں۔ اس نے سوچا لیکن بارہ ابواب کے وہی نام تھے جو اس نے لکھے تھے۔ ایک دو لفظ آگے پیچھے تھے مگر معنی وہی تھا۔ دھڑکتے دل سے اس نے بارہویں باب کا آخری صفحہ کھولا۔

''اور تمام غلاموں کو آزاد کروا کے

بنداہارا کی بیٹی ایک دن اپنے گھوڑے پہ سوار

نکلی جنگل کی طرف

اور پھر نہ دیکھا کسی ذی نفس نے اس کے بعد اس کو۔

شاید وہ بادلوں کے اوپر چلی گئی تھی

یا ان کے پار جہانوں میں۔''

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اگلا صفحہ پلٹایا۔

”باب تیرہ۔از آدم بن محمد۔

اور جب لوٹی شہزادی تاشہ اپنے سفر سے'

اپنے مورخ کے ساتھ'

تو دیکھا اس نے اپنے ملاکہ کو عجیب حالت میں.....“

ایڈم نے کرنٹ کھا کے وہ کتاب چھوڑ دی۔ یوں لگتا تھا کسی شے نے اندر سے نکل کے اسے ڈس لیا ہو۔

کتاب زمین پہ جا گری اور ایڈم خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا دور ہٹنے لگا۔

 

نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔